معمر القذافی

حصّہ اوّل

مسئلہ جمہوریّت کا حل: اقتدارِ عوام

حصّہ دوم

معاشی مسئلے کا حل: سوشلزم

حصّہ سوم

تیسرے عالمی نظریے کی سماجی بنیاد

بسم الله الرحمن الرحيم

اظہار تشکر

دنیا کے عوام نے خاص طور پر تیسری دنیا کے عوام نے سوشلزم کے ساتھ جو امیدیں وابستہ کی تھیں وہ بوجوہ پوری نہیں ہو سکیں جس کی وجہ سے مایوسی کا پھیلنا لازمی تھا۔ ایسے میں دنیائے اسلام کے انقلابی رہنما معمر القذافی کی کتاب الاخضر کے مطالعے کا موقع ملا۔ تو روشنی کی کرن نظر آئی۔ اس پر سانجھ وچار کی مرکزی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ کتاب الاخضر کا اردو اور برصغیر کی دوسری زبانوں میں ترجمہ شائع کیا جانا چاہئے تاکہ اس مایوسی میں یہ روشنی کی کرن دوسروں کے دلوں کے اندھیرے بھی دور کردے۔ اس اہم ذمہ داری کی انجام دہی میں ہمیں متعدد شخصیات کی رہنمائی اور تعاون حاصل رہا جن کا شکریہ نہ ادا کرنا اخلاقی بددیانتی ہوگی۔

سب سے پہلے تو ہمیں پاکستان میں لیبئن پیپلز بیورو کے اہم رکن جناب ناجی احمد ابوعائشہ کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے ہمیں، اس کام کا اہل سمجھتے ہوئے ترجمے کی اشاعت کے اجازت نامے کے حصول میں مدد فرمائی اس کے علاوہ جناب ناجی صاحب نے قدم

قدم پر ہماری رہنمائی کی اور ہمیں اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازا۔
جن کے بغیر ہمارے لئے یہ کام انجام دینا ممکن نہ ہوتا۔

کتاب کے ترجمے کے لئے اطہر ندیم صاحب کی زیر نگرانی ایک بورڈ ترتیب دیا گیا۔ انہوں نے توقع کے مطابق اس کام کو ذمہ داری سے پورا کیا اور خوبصورتی سے کتاب کی اصل روح کو اردو میں منتقل کیا جس کے لئے انہوں نے عربی اور انگریزی متن دونوں کو مد نظر رکھا

سانجھ وچار کی اشاعت کمیٹی کے اراکین جناب تاج محمد، جناب رشید میواتی، جناب خالد اور شبیر احمد رانا صاحب شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ضروری وسائل کی فراہمی اور بروقت طباعت و اشاعت کے لئے جانفشانی سے کام کیا۔ علاوہ ازیں مرکزی کمیٹی کے اراکین خصوصاً جناب صفدر کوثر صاحب منیر ثاقب صاحب اور سیف الدین خصوصی ذکر کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مرکزی کمیٹی کے فیصلے اور اسے عملی جامہ پہنانے میں اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا۔

سانجھ وچار میسرز ٹرپل سٹار پرنٹر کی انتظامیہ کی ممنون ہے کہ

انہوں نے اشاعت کا معیاری کام کیا اور شایان شان طریقے سے کتاب تیار کر کے اسے قارئین کے ہاتھوں تک پہنچایا۔

ہم ان صاحبان کے بھی مشکور ہوں گے جو کتاب کو پڑھنے او. سمجھنے کے بعد دوسروں تک پہنچانے میں مدد کریں گے۔ تاکہ عوام کو پتہ چلے کہ ان کے سیاسی ' سماجی اور معاشی معائل کا حل اس میں موجود ہے نیز نئی نسل کی ذہنی پرورش میں بھی مدد ملے گی تاکہ ہمارے مشن میں آسانی پیدا ہو۔

العارض

محمد حنیف رانا

کنوینز سانجھ وچار عالمی ادبی مجلس لاہور۔

========☆========
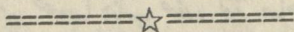
پیش لفظ

کرنل معمر قذافی کا شمار دنیائے اسلام اور تیسری دنیا کے اہم ترین انقلابی راہنماؤں میں ہوتا ہے ان کے بارے میں ایک بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کے قول اور فعل میں ذرہ بھر تضاد نہیں ۔ فکر اور عمل ان کی ذات میں یکجا ہوگئے ہیں اس طرح کہ ان کی شخصیت اسی وحدت سے پیدا ہوئی ہے ۔ آج تک انہوں نے ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے خیالات اور اصولوں کے بارے میں کسی قسم کی مصلحت پسندی کے قائل نہیں ۔ وہ اپنے نظریات کے لئے کسی قسم کے سمجھوتے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوئے ان کی انقلابی فکر کی ٹکر عالمی سامراج سے ہے اور چونکہ وہ امریکہ کو عالمی سامراج کا سربراہ سمجھتے ہیں اس لئے امریکی پالیسیوں کے خلاف ان کی جدوجہد سے ایک عالم واقف ہے ۔ انہیں توڑنے اور ختم کرنے کے لئے امریکہ نے کیا کیا کچھ نہیں کیا ۔ کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے ۔ مگر وہ قذافی صاحب کو اپنی جگہ سے رتی بھر نہیں ہلا سکے ۔

سبز کتاب فکر قذافی کی مظہر ہے اس میں انہوں نے عالم انسانی کو درپیش سیاسی اور اقتصادی مسائل کا حل پیش کیا یہ تجربے اور سوچ بچار کا نتیجہ ہے ۔ جو انہوں نے رائج الوقت سیاسی اور سماجی نظاموں سرمایہ دارانہ جمہوریت ' سوشلسٹ جمہوریت اور اس کی دوسری شکلوں مثلاً

پارلیمانی جمہوریت وغیرہ کے گہرے مشاہدے کے بعد اخذ کئے ہیں۔ تاہم فکر قذافی کے ڈانڈے نہایت گہرائی میں اسلام کی انقلابی روح سے منسلک ہیں وہ اسلام کے پیش کردہ سماجی اور معاشی انصاف کے عملی نمونوں کو لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب میں انہوں نے بعض بنیادی سوال اٹھائے ہیں مثلاً سیاسی میدان میں مسئلے کا حل عوامی اقتدار ہے مگر انکی رائے میں پارلیمانی جمہوری نظام یا دوسرا کوئی بھی نظام عوام کی براہ راست شراکت کا اہتمام نہیں کرتا۔ پارلیمانی نظام میں اقتدار پارلیمینٹ کے پاس ہوتا ہے اختیار اس پارٹی کے پاس ہوتا ہے جو سارے عوام کی نمائندہ نہیں ہوتی اس طرح سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلسٹ نظام دونوں میں مزدور اجرتی کارکن ہی رہتا ہے۔ پیدائش دولت کے عمل میں اس کی حیثیت کے مطابق اسے حصہ نہیں دیا جاتا جو انصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔ یہ کتاب فکر و عمل کی نئی راہیں کھولتی ہے اور ایسے وقت میں جب عوام الناس اپنی معاشی مشکلات کے حل کے لئے کسی قابل عمل نظام کے لئے پریشان ہیں سبز کتاب ان مسائل کے حل کے بارے میں ان کی راہنمائی کرسکتی ہے

عالمی ادبی مجلس سانجھ وچار نے اس کتاب کا ترجمہ اردو اور دوسری علاقائی زبانوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کر کے نہایت بر وقت اقدام کیا ہے۔ جب بھی کوئی کتاب بنی نوع انسان کو درپیش مسائل سے بحث

کرتی ہے تو اس تک رسائی ہر فرد کا حق ہے ۔ خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو ۔ اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں میں اسکی اشاعت گویا حقداروں تک ان کا حق پہنچانے کا کام ہے امید ہے اس کارِ خیر کے نتائج بھی نیک ہی ہونگے ۔

اطہر ندیم

حکمرانی کا آلہ کار

تمام انسانی برادریوں کے سامنے جو مسئلہ سب سے بلند درجے کا مسئلہ بن کر کھڑا ہے وہ یہ ہے کہ حکمرانی کا آلہ کار کیا ہونا چاہئے۔ کسی خاندان کے اندر جو تنازعہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی اکثر اسی مسئلے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

عوام بھی اسی مسئلے کا سامنا کررہے ہیں اور مختلف مذہبوں اور پیشوں پر مشتمل گروہ اور برادریاں بھی کہیں تو ان خطرات اور جوکھوں میں مبتلا ہیں جن کو اسی مسئلے نے پیدا کیا ہے اور کہیں ان نتائج میں مبتلا ہیں جن تک یہ مسئلہ انہیں پہنچا دیتا ہے۔ یہ سب لوگ ابھی تک اس مسئلے کو کسی حتمی اور جمہوری صورت میں حل نہیں کرسکتے۔

سبز کتاب حکمرانی کے آلہ کار کو طے اور متعین کرنے کے مسئلے کا آخری حل پیش کرتی ہے۔

آج دنیا میں جتنے بھی سیاسی نظام موجود ہیں وہ اس جدوجہد کی پیدا وار ہیں جو حکمرانی کے آلات کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کیلئے ہوتی اور چلتی رہی ہے۔ یہ جدوجہد خواہ پر امن ہو خواہ مسلح ہو جیسے کہ یہ طبقات کے تنازعوں یا گروہوں قبیلوں، پارٹیوں اور افراد کے تنازعوں میں ہوتی رہی، اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ ہمیشہ حکمرانی کے کسی ایک آلہ کار نے

فتح حاصل کی ، خواہ یہ فاتح آلہ کار کوئی فرد ہوا ، خواہ کوئی فرقہ ہو ،خواہ کوئی پارٹی ہو یا کوئی طبقہ ہوا ہمیشہ ہوتا یہی رہا کہ شکست تو عوام کی ہوتی رہی یعنی شکست تو اصلی جمہوریت کی ہوتی رہی ۔

کوئی ایسی سیاسی جدوجہد جو اپنے نتیجے کے طور پر اپنے امید وار کو ۵۱ فیصد ووٹ دلا کر فتح دلاتی ہے وہ بھی اس آمرانہ حکومت کی طرف لے جاتی ہے جس نے جمہوریت کا جھوٹا لبادہ اوڑھا ہوتا ہے کیونکہ رائے دہندوں کے ادارے کے ۴۹ فیصد ووٹوں پر حکمرانی کے اس آلہ کار کی حکومت قائم ہوجاتی ہے جس کو انہوں نے ووٹ نہیں دئے ہوتے اور وہ ان پر مسلط کردیا جاتا ہے اس لئے یہ تو آمریت ہوتی ہے یہ سیاسی تنازعہ تو ایک ایسی گورننگ باڈی کو پیدا کرتا ہے جو صرف اقلیت کی نمائندگی کرتی ہے کیونکہ جب ووٹ بہت سے امید واروں میں تقسیم ہوجاتے ہیں تو ان میں سے ایک امید وار تو کسی بھی دوسرے سے زیادہ ووٹ لے لیتا ہے لیکن اگر ان امید واروں کے ووٹ جمع کئے جائیں جنہوں نے اس ایک کے مقابلے میں کم ووٹ لئے ہوتے ہیں تو ان کے ووٹ جمع ہو کر اس پر حاوی اکثریت کے ووٹ ہوتے ہیں ۔ تاہم جیت وہی امید وار جاتا ہے جس نے کم تر ووٹ لئے ہوئے ہیں اور اس کی کامیابی کو جائز اور جمہوری قرار دیا جاتا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ یوں جھوٹی جمہوریت کے غلاف میں آمریت قائم کردی جاتی ہے ۔ یہ ہے ان سیاسی نظاموں کی

حقیقت جو آج دنیا پر چھائے ہوئے ہیں یہ آمرانہ نظام ہیں اور یہ بات واضح طور پر محسوس ہوجاتی ہے کہ یہ تمام نظام اصل جمہوریت کو جھٹلاتے ہیں۔

پارلیمنٹ

عوام کے عوض کوئی نمائندگی نہیں مانی جاسکتی

روایتی جمہوریت آج جس طرح چل رہی ہے اس کی ریڑھ کی ہڈی پارلیمنٹ ہوتی ہے -- یہ پارلیمنٹ دراصل عوام کی غلط نمائندگی ہے اور پارلیمنٹری حکومتیں جمہوریت کے مسئلے کا غلط حل ہیں پارلیمنٹ کی بنیاد اصل میں رکھی تو عوام کی نمائندگی کیلئے جاتی ہے لیکن بذات خود پارلیمنٹ غیر۔جمہوری ہوتی ہے کیونکہ جمہوریت کا مطلب عوام کی اتھارٹی ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عوام کی طرف سے کوئی اور اتھارٹی قائم کردی جائے محض پارلیمنٹ کا وجود قائم کردینے کا مطلب تو عوام کی عدم موجودگی ہوتا ہے جبکہ سچی جمہوریت صرف عوام کی اپنی شراکت سے وجود میں آتی ہے صرف عوام کے نمائندوں کی سرگرمی سے وجود میں نہیں آتی - پارلیمنٹیں آج تک اتھارٹی کے عمل اور عوام کے درمیان ایک

قانونی باڑھ بنی رہی ہیں اور عوام کو اقتدار سے خارج کر کے عوام کی جگہ خود اقتدار اعلیٰ کو غصب کرتی رہی ہیں ۔ اس پارلیمانی نظام میں عوام کو جمہوریت کے اس خارجی اور جھوٹے اظہار پر چھوڑ دیا جاتا ہے جو کہ ان لمبی قطاروں کی صورت میں سامنے آتا ہے جن میں عوام اپنے ووٹوں کو بیلٹ بکس میں ڈالنے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں ۔

نمائندگی شراکت کا انکار ہے

کسی پارلیمنٹ کے کردار کو فاش کرنے کے لئے ہمیں ایسی پارلیمنٹ کی ابتداء کو دیکھنا پڑتا ہے ۔ پارلیمنٹ کا انتخاب یا تو حلقہ انتخاب ہوتا ہے 'یا پارٹی سے ہوتا ہے یا پھر کچھ پارٹیوں کو مخلوط کر کے کیا جاتا ہے یا تقرری کے کسی طریقے سے تشکیل دیا جاتا ہے ۔ لیکن عمل درآمد کی یہ تمام تر کارروائیاں غیر جمہوری ہوتی ہیں کیونکہ آبادی کو حلقہ ہائے انتخاب میں تقسیم کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کا ایک ممبر ہزاروں اور لاکھوں عوام کی نمائندگی آبادی کے سائز پر انحصار کرتے ہوئے کرتا ہے ۔

نمائندگی جمہوریت کو جھٹلاتی ہے

پارلیمنٹ کا ممبر چونکہ دوسرے ممبروں کی طرح تمام عوام کے نمائندے کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس لئے وہ انتخاب کنندہ کے ساتھ کوئی پاپولر تنظیمی تعلق نہیں رکھتا۔ یہی کچھ ہے جس کا یہ روائیتی طور پر چھائی ہوئی جمہوریت تقاضہ کرتی ہے اس لئے عوام الناس اپنے نمائندے سے مکمل طور پر کٹے رہتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں نمائندہ عوام الناس سے مکمل طور پر جدا ہوجاتا ہے۔ چونکہ عوام کے ووٹ جیت لینے کے فوراً بعد عوام کا نمائندہ فوری طور پر خود ہی عوام کے اقتدار اعلیٰ کو غصب کر لیتا ہے اور عوام کی جگہ خود عمل میں آجاتا ہے اس لئے روائیتی طور پر پھیلی ہوئی جمہوریت پارلیمنٹ کے ممبر کو وہ تقدس بھی عطا کردیتی ہے اور محفوظ رہنے کی کیفیت بھی جسے اگر عوام میں سے دوسرے فرد مانگیں تو انہیں اس کے جواب میں انکار کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اس کا مطلب ہے کہ پارلیمنٹیں عوامی اتھارٹی کو غصب کرنے اور لوٹنے کا ذریعہ بن چکی ہے۔ لہٰذا عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک مقبول عام انقلاب کے ذریعے حکمرانی کے ان آلات کو تباہ کرنے کے لئے جدوجہد کریں جنہوں نے اقتدار اعلیٰ اور جمہوریت کو غصب کیا اور عوام سے دور لے گئے۔ عوام یہ حق بھی رکھتے ہیں کہ وہ نیا اصول بتلا دیں جو یہ ہے کہ ' عوام کی جگہ کوئی

نمائندگی نہیں چاہئے ۔ بہر حال اگر پارلیمنٹ الیکشن جیتنے کے نتیجے میں
کسی پارٹی سے ابھرتی ہے تو پھر یہ پارلیمنٹ عوام کی پارلیمنٹ نہیں ہوگی
ایک پارٹی کی ہوگی ۔ یہ پارلیمنٹ پارٹی کی نمائندگی کرتی ہے عوام کی
نہیں کرتی اور انتظامی اختیارات جو یہ پارلیمنٹ سونپتی ہے وہ بھی پارٹی
کے پاس ہوتے ہیں عوام کے پاس نہیں یہ بات اس پارلیمنٹ پر بھی
صادق آتی ہے جس میں ہر ایک پارٹی کچھ سیٹیں سنبھال لیتی ہے ۔ کیونکہ
اس میں بھی پارلیمنٹ کے ممبر اپنی اپنی پارٹی کی نمائندگی کرتے ہیں عوام
کی نمائندگی نہیں کرتے اور جو اقتدار اس قسم کی مخلوط پارلیمنٹ کو ملتا
ہے وہ بھی ملی جلی پارٹیوں کے پاس ہوتا ہے عوام کے پاس نہیں ہوتا
اس قسم کے نظاموں میں عوام تو صرف نشانہ بنتے ہیں ان کو بیوقوف بنایا
جاتا ہے اور سیاسی مملکتوں اور اداروں کے ذریعے ان کا استحصال کیا جاتا
ہے ۔ اس جمہوریت میں عوام لمبی لمبی قطاریں لگا کر بیلٹ بکسوں میں
ووٹ ڈالنے کے لئے یوں کھڑے ہوتے ہیں جیسے کوڑے دان میں ردی
کے کاغذ ڈالتے ہوں ۔

یہ ہے وہ روایتی جمہوریت جو پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے خواہ
کوئی نظام یک جماعتی ہو ، خواہ دو جماعتی ہو ، خواہ کثیر الجماعتی ہو یا غیر
جماعتی ہو ۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نمائندگی ایک فراڈ ہے
۔ وہ اسمبلیاں جو نامزدگیوں کے طریقے سے بنائی جاتی ہیں یا وراثت کے

ذریعے بنتی ہیں وہ تو کسی بھی طرح جمہوریت کی صورت میں نہیں آتیں علاوہ ازیں انتخابی پارلیمینٹ کا نظام چونکہ ووٹ جیتنے کے پراپیگنڈے پر بنیاد رکھتا ہے اس لئے اصل میں یہ لفاظی اور وعظ بازی کا سسٹم ہوتا ہے جس میں ووٹ خریدے بھی جاسکتے ہیں اور جعلی بھی ڈالے جاسکتے ہیں اور ان میں ڈنڈی بھی ماری جاسکتی ہے غریب عوام چونکہ انتخابی مہم کے مقابلے میں ناکام ہوجاتے ہیں اس لئے ہمیشہ امیر اور صرف امیر لوگ ہی انتخابات میں فتحیاب ہوتے ہیں۔

فلاسفروں' دانشوروں اور ادیبوں نے نمائندہ حکومت کی تھیوری کی وکالت اس وقت کی تھی جب عوام اس کو محسوس کئے بغیر بادشاہوں' سلطانوں اور فاتحین کے حکموں پر ہانکے جاتے تھے ان وقتوں کے عوام کی بلند ترین تمنائیں اور آرزوئیں یہی ہوتی تھیں کہ وہ کسی ایسے شخص کو پالیں جو ان حکمرانوں کے سامنے ان کی نمائندگی کر سکے۔ اگرچہ یہ تمنائیں اور آرزوئیں باطل قرار دی جاتی رہیں لیکن عوام ایک طویل اور تلخ جدوجہد سے گذرتے رہے' تاکہ وہ کچھ حاصل کرسکیں جو کچھ ان کی آرزوؤں میں تھا۔ اب جمہوریہ قائم کرنے کا زمانہ آنے اور عوام الناس کا دور شروع ہونے کے بعد یہ بات تو بڑی نامعقول ہوگی کہ جمہوریت کا مطلب صرف چند ایک نمائندوں کو منتخب کرنا ہو جو سارے عوام کی طرف سے عمل کنندگان بنے ہوئے ہوں۔ یہ ایک مسترد

نظریہ ہے اور گیا گذرا ' بچھڑا ہوا تجربہ ہے تمام تر اتھارٹی لازماً عوام کی ہونی چاہیے دنیا جن بدترین آمریتوں کو جانتی ہے وہ بھی پارلیمنٹوں کے سائے میں ہی وجود میں لائی گئی تھیں۔

سیاسی پارٹی

پارٹی سسٹم جمہوریت کا استقاط کردیتا ہے

سیاسی پارٹی ہم عصر آمریت ہے ۔ یہ حکمرانی کا جدید آمرانہ آلہ کار ہے ۔ پارٹی تو کل پر جزو کی حکمرانی ہے ۔ بلکہ یہ تو جدید ترین آمرانہ آلہ کار ہے ۔ چونکہ پارٹی ایک فرد نہیں ہوتی اس لئے یہ پارلیمینٹوں اور کمیٹیوں کو قائم کر کے اور اپنے ممبروں کے پراپیگنڈہ کے ذریعے ایک بناوٹی اور ریا کار جمہوریت کو عمل میں لاتی ہے اور اسی کی مشق کرتی رہتی ہے پارٹی ہرگز کوئی جمہوری آلہ کار نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کو جوڑ اور ملا کر بنائی جاتی ہے جو مشترکہ مفادات ایک مشترکہ نقطۂ نظر یا ایک مشترکہ ثقافت رکھتے ہیں یا ایک ہی مقام سے تعلق رکھتے ہیں یا ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں ۔

پارٹی بنا کر آپ معاشرے کو ٹکڑے کردیتے ہیں

لوگ پارٹی اس لئے بناتے ہیں کہ اپنے مقاصد حاصل کریں ، اپنے نقطۂ نظر کو مسلط کریں یا معاشرے پر کلی طور پر اپنے عقیدے کی گرفت

قائم کریں ۔ ایک پارٹی کا مطمع نظر یہ ہوتا ہے کہ اپنے پروگرام کو عمل میں لانے کے بہانے وہ اقتدار حاصل کر لے ۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عوام کی شناخت کو متعین کرنے والے مختلف پارٹیوں کے مفادات ' خیالات ' مزاجوں ' عقیدوں اور علاقوں پر قائم پارٹیوں کو تمام عوام پر حکومت نہیں کرنی چاہئے سیاسی پارٹی تو حکمرانی کا وہ آمرانہ آلہ کار ہوتی ہے جو ایک ہی نقطۂ نظر اور مشترکہ مفاد رکھنے والوں کو تمام تر عوام پر حکمرانی کرنے کے قابل بناتا ہے ۔ اگر پارٹی کا تقابل عوام سے کروایا جائے تو سیاسی پارٹی ایک اقلیت ہوتی ہے ۔

ایک پارٹی کو تشکیل دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام پر حکمرانی کرنے کا وہ آلہ بنایا جائے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ان لوگوں پر حکومت کرے جو اس کی پارٹی کے ممبر بھی نہیں ہیں ۔ پس سیاسی پارٹی بنیادی طور پر ایک من مانے حاکمانہ نظریئے پر قائم ہوتی ہے یعنی پارٹی کے ممبروں کا عوام میں شامل دیگر افراد کے اوپر غلبہ کروایا جائے ۔ سیاسی پارٹی پہلے ہی یہ فرض کر لیتی ہے کہ اس کا اقتدار تک پہنچنا ہی اس کے مقاصد کو حاصل کرنے کا طریقہ ہے اور یہ مفروضہ بھی بنا لیتی ہے کہ اس کے مقاصد عوام کے مقاصد ہیں یہی وہ نظریہ ہے جو پارٹی کی آمریت کے جواز کے لئے پیش کیا جاتا ہے اور جو آمریت کی بنیاد بھی ہوتا ہے ۔ پارٹیاں خواہ کتنی بھی ہوں یہ کوئی بات نہیں نظریہ تو ان کا ایک ہی ہوتا

ہے لیکن بہت ساری پارٹیوں کا وجود اقتدار کی جدوجہد کو تیز کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں عوام کی کامرانیوں اور سماجی فوائد کے منصوبے تباہ ہوجاتے ہیں ۔ ایسی تباہی حزب اختلاف کے ہاتھ یوں آجاتی ہے کہ وہ اسی تباہی کو ایک جواز کے طور پر استعمال کر کے حکمرانی پارٹی کی اپوزیشن کی بنیاد کھوکھلی کردے اور خود اس سے اقتدار حاصل کر لے ۔ سیاسی پارٹیاں ایک دوسری کے خلاف اگر ہتھیاروں کو استعمال نہ کریں جو بہت ہی کم استعمال ہوتے ہیں ' تو پھر ایک دوسری کی کارروائیوں کو باطل کرنے اور ان کی مذمت کرنے کی جدوجہد کرتی ہیں ۔ یہ وہ لڑائی ہوتی ہے جو معاشرے کے اعلیٰ ترین اور اہم مفادات کی قیمت پر لازم سمجھ کر لڑی جاتی ہے اگر معاشرے کے یہ تمام تر اعلیٰ مفادات اقتدار کی جدوجہد کے نشانے نہ بنیں تو بھی ان میں سے کچھ نہ کچھ تو حکمرانی کے آلہ کار کے نشانے بن جاتے ہیں ۔

ان اعلیٰ ترین سماجی مفادات کی تباہی حکمران پارٹی کے خلاف حزب مخالف کی ایک یا زیادہ پارٹیوں کے دلائل کی حمایت کرتی ہے ۔ اتھارٹی تک اپنی رسائی حاصل کرنے کے لئے حزب مخالف کو یہ کرنا ہی پڑتا ہے کہ وہ حکمرانی کے آلہ کار بن کر حکمران ادارے کو باہر نکال پھینکے ۔ حکمرانی کے موجودہ آلہ کار کو غیر موزوں ثابت کرنے کیلئے حزب مخالف کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے کہ وہ حکمران پارٹی کی کامیابیوں اور کامرانیوں کو تباہ

کردے اور اس کے منصوبوں کے بارے میں شک و شبہ پیدا کردے خواہ وہ منصوبے معاشرے کے لئے فائدہ مند ہی ہوں ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سیاسی پارٹیوں کے مفادات اور پروگرام پارٹیوں کے اس جدوجہد کے انتقام کا نشانہ بن جاتے ہیں جو اقتدار کے لئے کی جاتی ہے ۔ اس لئے اس قسم کی جدوجہد سیاسی سرگرمی کو تخلیق کرنے کے باوجود سماجی، سیاسی اور اقتصادی طور پر سماج کیلئے تباہ کن ثابت ہوتی ہے ۔ علاوہ ازیں اس جدوجہد کے نتیجے میں، ایک پارٹی کے زوال اور دوسری کے اقتدار کی صورت میں حکمرانی کا ایک اور آلہ کار سامنے آجاتا ہے ۔ لیکن یہ نتیجہ عوام اور جمہوریت کی شکست ہوتا ہے مزید برآں ان سیاسی پارٹیوں کو اندر یا باہر سے خریدا بھی جاسکتا ہے ۔

اصل بات یہ ہے کہ سیاسی پارٹی کی بنیاد تو عوام کی نمائندگی کرنے کے لئے رکھی جاتی ہے، پھر پارٹی کا قائد گروپ اپنے ممبروں کی نمائندگی کرنے لگتا ہے اور اس کا اعلیٰ ترین لیڈر قائد گروپ کی نمائندگی کرنے لگتا ہے ۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سیاسی پارٹی کا کھیل ایک دغا باز سوانگ ہوتا ہے جو جمہوریت کی ایک بناوٹی شکل پر بنیاد رکھتا ہے اور یہ شکل اس خود غرض قناعت پر مشتمل ہوتی ہے جو چال بازیوں کرتبوں اور سیاسی کھیلوں پر بنیاد رکھتی ہے ۔

یہ تمام کرتب اور چالبازیاں اسی بات پر زور دیتی ہیں کہ پارٹی سسٹم

ایک آمرانہ آلہ کار ہے لیکن ہے جدید شکل کا ۔ پارٹی سسٹم ایک پوشیدہ نہیں اعلانیہ آمریت ہوتی ہے ۔ دنیا ابھی تک اس سسٹم سے آگے نہیں گذر سکی اسی لئے اس کو جدید دور کی آمریت کہا جاتا ہے ۔

انتخابات میں جیتنے والی پارٹی کی پارلیمنٹ دراصل عوام کی نہیں صرف پارٹی کی پارلیمنٹ ہوتی ہے کیونکہ یہ پارلیمنٹ جس قوت عاملہ کو پارٹی کے سپرد کرتی ہے یہ قوت عوام کے سر پر مسلط پارٹی کا اقتدار بن جاتی ہے ۔ پارٹی کے اقتدار کا کام تو یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام عوام کی اچھائی کیلئے ہو لیکن اصلیت میں یہ عوام کے اس حصے کا دشمن ہوتا ہے جس حصے کا نام حزب اختلاف کی پارٹی یا پارٹیاں یا ان کے حامی رکھ دیا جاتا ہے ۔ اس لئے حزب اختلاف حکمران پارٹی کی ایک مقبول جانچ پڑتال نہیں بنتی بلکہ خود ایسے موقع کو تاڑتی رہتی ہے جس پر وہ حکمران پارٹی کو پرے ہٹا کر اس کی جگہ خود سنبھال لے ماڈرن جمہوریت کے مطابق پارلیمنٹ حکمران پارٹی کی ایک قانونی جانچ ہوتی ہے جس کے ممبروں کی اکثریت بھی حکمران پارٹی سے ہی تعلق رکھتی ہے اس بات کو تو یوں کہنا چاہئے کہ جانچ پڑتال تو صاحب اقتدار پارٹی کے ہاتھ میں ہوتی ہے جبکہ اقتدار جانچ پڑتال کرنے والی پارٹی کے ہاتھ میں ہوتا ہے ۔=

اس طرح دنیا میں غالب آنے والے ان سیاسی نظریات کی دھوکہ بازی ' جھوٹ اور کچا پن صاف ظاہر ہوجاتا ہے جو آج کی دنیا میں غالب آئے

ہوئے ہیں اور جن میں سے رائج الوقت روایتی جمہوریت ابھرتی ہے ۔

سیاسی پارٹی صرف عوام کا ایک حصہ ہوتی ہے لیکن عوام کا اقتدار اعلیٰ اس میں دکھائی نہیں دیتا

سیاسی پارٹی عوام کی طرف سے حکمران بنتی ہے لیکن اصول تو یہ ہے کہ عوام کی بجائے کوئی نمائندگی ان کی جگہ نہ لے ۔

پارٹی سسٹم جدید قبائلی اور فرقہ ورانہ سسٹم ہے جس معاشرے پر سیاسی پارٹی کی حکومت ہوتی ہے وہ واقعی اس معاشرے کی طرح ہوتا ہے جس پر ایک قبیلے یا ایک فرقے کی حکومت ہو ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سیاسی پارٹی عوام کے کسی ایک گروپ کے نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتی ہے ۔ یا معاشرے کے ایک گروپ کے مفادات کی ' یا ایک عقیدے یا ایک مقام کی نمائندگی کرتی ہے ۔ ایسی پارٹی کو تمام عوام کے مقابلے میں ایک اقلیت ہونا چاہئے جیسے کہ قبیلہ اور فرقہ اقلیت ہوتے ہیں ۔ اقلیت مشترکہ مفادات یا فرقہ ورانہ عقیدہ رکھتی ہے ۔ اس قسم کے مفادات اور عقیدے سے ایک مشترکہ نقطۂ نظر تشکیل دیا جاتا ہے صرف خونی رشتہ ایک قبیلے اور پارٹی کے درمیان تمیز پیدا کرتا ہے تاہم ایک پارٹی کی بنیاد میں بھی خونی رشتہ ہوسکتا ہے ۔ اقتدار کے لئے پارٹی کی جدوجہد ' قبیلے کی جدوجہد اور فرقے کی جدوجہد میں کوئی فرق نہیں ہوتا ۔ اور اگر قبائلی اور فرقہ ورانہ حکمرانی کو سیاسی طور پر مسترد کر کے اس کی تردید کی جاسکتی

ہے تو پھر پارٹی سسٹم کو بھی مسترد کر کے اس کی اسی طرح تردید ہونی چاہئے یہ دونوں ایک ہی راستے پر چلتے ہیں اور ایک ہی مقصد تک پہنچتے ہیں - معاشرے پر قبائلی اور فرقہ ورانہ جدوجہد کے جو اثرات ہوتے ہیں وہ سیاسی پارٹیوں کی جدوجہد سے مشابہ ہی ہوتے ہیں

طبقہ

طبقاتی سیاسی نظام بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ جماعتی ' قبائلی یا فرقہ ورانہ نظام ہوتا ہے مطلب اس بات کا یہ ہے کہ ایک طبقہ بھی معاشرے پر اسی طرح غلب حاصل کر لیتا ہے جس طرح کہ ایک پارٹی ' قبیلہ یا فرقہ کرتا ہے - طبقہ بھی پارٹی ' فرقے اور قبیلے کی طرح معاشرے کے ان لوگوں کا گروپ ہوتا ہے جن کے مفادات مشترک ہوتے ہیں - مشترکہ مفادات ان لوگوں کے گروپ کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں جو خونی رشتے ' عقیدے ' ثقافت ' مقام یا معیار زندگی کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں - طبقہ پارٹی - فرقہ اور قبیلہ ابھرتے بھی ایک ہی جیسے عوامل سے ہیں جو ایک ہی جیسے نتائج کی طرف لے جاتے ہیں - یہ جنم اس لئے لیتے ہیں کہ خونی رشتے ' عقیدہ ' معیار زندگی ' ثقافت اور مقامیت ایک مشترکہ مقصد تک پہنچنے کیلئے مشترکہ نقطۂ نظر کو

تخلیق کرتے ہیں ۔ اس طرح طبقے ' پارٹی قبیلے اور فرقے کی صورت میں ایک سماجی ڈھانچہ ابھرتا ہے جو آخر کار ایک سیاسی تصور بن جاتا ہے جو ایک گروپ کے مقاصد اور نقطۂ نظر کو عمل میں لانے کی سمت چلتا ہے ۔ لوگ تمام حوالوں اور حالتوں میں نہ تو طبقہ ہوتے ہیں نہ ہی پارٹی مذہبی قبیلہ اور نہ ہی فرقہ ' اس لئے وہ عوام کے ایک جزو سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے اس لئے ایک اقلیت کی تشکیل و ترتیب کرتے ہیں ۔ ایک ایک طبقہ ' پارٹی قبیلہ ' یا فرقہ معاشرے پر غلبہ حاصل کر لے تو پورے کا پورا نظام آمریت بن جاتا ہے ۔

بہرحال ایک طبقے یا قبیلہ کا ملاپ ایک پارٹی کے میل سے بہتر ہوتا ہے کیونکہ اصلیت میں لوگ قبیلوں کے گروپوں پر ہی مشتمل ہوتے ہیں ۔ کبھی کسی کو وہ لوگ نہیں ملتے جو کسی قبیلے سے تعلق نہ رکھتے ہوں جبکہ تمام لوگ کسی نہ کسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ لیکن کوئی بھی پارٹی یا پارٹیاں ایسی نہیں ہوتیں جنہوں نے تمام ہی لوگوں کو اپنے ساتھ بغلگیر کر رکھا ہو اس لئے خواہ کوئی پارٹی ہو یا پارٹیوں کا اتحاد ہو جب اس کا تقابل ان کی ممبر شپ سے باہر رہنے والے عوام الناس سے کروایا جائے تو یہ پارٹی اتحاد ایک اقلیت ہی ثابت ہوتا ہے ۔ اصلی جمہوریت کے تحت چلیں تو اس میں ایسا کوئی بیانہ نہیں ملتا جس کے ذریعہ ایک طبقہ اپنے فائدہ کی خاطر کسی دوسرے طبقے کو کچل سکے ' کوئی پارٹی اپنے مفادات کی

خاطر کسی دوسری پارٹی کو کچل سکے کوئی قبیلہ اپنے مفادات کی خاطر دوسرے قبیلوں کو کچل سکے اور کوئی فرقہ دوسرے فرقوں کو اپنے مفادات کے لئے کچل سکے۔

اس قسم کی کارروائیوں کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جمہوریت کی منطق کو ترک کردیا جائے اور قوت کی منطق کو رائج کردیا جائے۔ اس قسم کی کارروائی آمرانہ ہوتی ہے کیونکہ یہ تمام معاشرے کے فائدہ میں نہیں جاتی جو کہ کسی ایک طبقے، ایک قبیلے ایک فرقے اور کسی ایک پارٹی کے ممبروں پر مشتمل نہیں ہوتا۔ اس قسم کی کارروائیوں کا کوئی جواز نہیں۔ آمریت کا جواز تو یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ عملاً مختلف قسم کے اجزء کو ملا کر بنایا گیا ہو اور ان اجزاء میں سے ایک جزو خود اقتدار میں آنے کیلئے دوسرے اجزاء کو تحلیل کردینے کے عمل کا حساب چکا دے اور آخری تصفیہ کردے۔ لیکن پھر یہ کارروائی تمام معاشرے کے مفاد میں نہیں جائیگی صرف ایک مخصوص طبقے قبیلے، فرقے یا پارٹی کے مفاد میں جائیگی یعنی اس کے فائدہ میں جائیگی تو جو پورے معاشرے کی جگہ خود لے لیتا ہے آخری حساب چکانے کا تصفیہ کرنے کی یہ کارروائی جو معاشرے کے ان ارکان کے خلاف کی جاتی ہے اس ایک پارٹی، ایک طبقہ اور ایک قبیلہ یا فرقہ کے خلاف نہیں کی جاتی جو اس تصفیہ کا کام پورا کرنے کی ذمہ داری نبھا رہے ہوتے ہیں

سیاسی پارٹی کی جدوجہد کے ہاتھوں چیتھڑوں اور ٹکڑوں میں تقسیم ہونے والا معاشرہ قبائلی اور فرقہ ورانہ جدوجہد کے ہاتھوں بھی اس طرح ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے جس طرح پارٹی کے ہاتھوں میں بٹتا ہے۔

استصواب رائے

ہاں اور نہ کا جھوٹ

استصواب رائے جمہوریت کے خلاف ایک اور فراڈ ہے۔ ان میں جو لوگ "ہاں" کہتے ہیں وہ بھی اور جو "نہ" کہتے ہیں وہ بھی اصل میں اپنی مرضی اور ضمیر کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ان کو جدید جمہوریت کے تصور کے ذریعے چپ کروا دیا جاتا ہے اور صرف ایک لفظ بولنے کی اجازت دی جاتی ہے اور وہ ایک لفظ یا تو "ہاں" ہوتا ہے اور یا "نہ" ہوتا ہے۔ یہ تو سب سے زیادہ ظالم، جابر اور آمرانہ نظام ہوتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ جو آدمی "نہ" کہ رہا ہے وہ اپنے جواب کے اسباب بھی بتائے اور واضح کرے کہ اس نے "ہاں" کیوں نہیں کہا اور جو آدمی ہاں کرے وہ ہاں کی صورت میں منظوری دینے کی وضاحت کرے کہ اس نے "نہ" کیوں نہیں کہا۔ ہر کسی کو اپنی طرف سے دی گئی منظوری یا نامنظوری کے اسباب بتانے چاہیں اور یہ بات بھی صاف صاف کہ دینی چاہئے کہ وہ چاہتا کیا ہے۔

اسکے بعد سوال یہ ہے کہ آمریت کے ادوار سے چھٹکارا [illegible]

کرنے کے لئے وہ کون سا راستہ ہے جسے تمام انسانی گروپ لازماً اختیار کریں۔

جمہوریت کے معاملے میں چونکہ سب سے زیادہ پر پیچ اور گنجلک مسئلہ حکمرانی کے آلہ کار بنانے کا مسئلہ ہے جسے مختلف طبقوں' پارٹیوں اور افراد نے ظاہر کیا ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے انتخابات اور رائے شماری کرانے کے جو طریقے ایجاد کئے گئے ہیں وہ چونکہ کامیاب نہ ہونے والے تجربوں پر پردے ڈالنے کے طریقے ہیں اسلئے مسئلے کا حل اسطرح ملتا ہے کہ حکمرانی کا آلہ کار مذکورہ بالا ان تمام آلات کار سے مختلف بنایا جائے جو کہ تنازعوں کے سبب بنتے ہیں اور معاشرے کی صرف یک طرفہ نمائندگی کرتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حکمرانی کا آلہ کار صرف ایک طبقہ' ایک پارٹی' ایک فرقہ یا ایک قبیلہ نہ ہو بلکہ مجموعی طور پر پورے عوام ہوں۔ ایسا آلہ کار تو نہیں ہونا چاہیے کہ جو عوام کی نمائندگی بھی نہ کرتا ہو اور عوام کے نام پر بات بھی نہ کرتا ہو۔

عوام کی جگہ تو کوئی نمائندگی نہیں ہونی چاہئے اور نمائندگی ہے تو ہوتی بھی فراڈ ہے۔ اگر وہ آلہ کار وجود میں آجائے جو پورے عوام کا

ہو تو مسئلہ حل ہو جائیگا اور مقبول عام جمہوریت عمل میں لائی جائیگی نوع انسانی جابرانہ ادوار اور آمرانہ نظاموں کو ختم کردے گی اور عوام کی اتھارٹی اپنا مقام حاصل کرلے گی۔ سبز کتاب حکمرانی کی آلہ کار کے مسئلے کا حل پیش کرتی ہے اور عوام کے لئے راستے کی نشاندہی کرتی ہے تاکہ وہ آمریت کے ادوار سے نکل کر اصل جمہوریت کے دور تک پہنچ جائیں۔

اس نئے نظریئے کی بنیاد کسی نمائندگی یا نیابت کے بغیر عوام کی براہ راست اتھارٹی پر ہے۔ یہ نظریہ جمہوریت کو نظم وضبط کے مطابق موثر صورت کو مانتی ہیں۔ جمہوریت کے لئے ہو چکنے والی اس قدیم کوشش سے مختلف ہے جسکا عملی صورت میں اطلاق بھی نہیں ہو سکتا اور جو فضول کوشش ہے کیونکہ نچلی سطح پر اس کی کوئی تنظیم نہیں ہوتی۔

پاپولر کانگرسیں اور عوامی کمیٹیاں

مقبول جمہوریت کو حاصل کرنے کے واحد ذرائع صرف مقبول کانگرسیں ہی ہیں۔ پاپولر کانگرسوں کے علاوہ حکومت کا خواہ کوئی بھی سسٹم بنایا جائے وہ غیر جمہوری ہوتا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی نظام آجکل

رائج ہیں وہ سب اسوقت تک غیر جمہوری رہیں گے جب تک وہ اس طریقے کو اختیار نہیں کرتے جو پاپولر کانگرس کا طریقہ ہے۔ پاپولر کانگرسیں عوام الناس کی اس تحریک کے سفر کی آخری منزل ہیں جو جمہوریت کی جستجو میں چلائی جاتی رہی ہے۔

مقبول کانگرسیں اور عوامی کمیٹیاں جمہوریت کے لئے عوام کی جدوجہد کا آخری ثمر ہیں۔ یہ کانگرسیں اور کمیٹیاں محض کسی متخیلہ کی تخلیق نہیں ہیں بلکہ اس انسانی فکر کی پیداوار ہیں جس میں جمہوریت حاصل کرنے کے تمام تجربات جذب ہو چکے ہیں۔ براہ راست جمہوریت (ڈائریکٹ ڈیمو کریسی) ایک آئیڈیل طریقِ عمل ہے اگر عمل میں لایا جائے تو اس پر کوئی جھگڑا یا اختلاف رائے کا بحث مباحثہ نہیں ہوتا۔ مختلف قومیں ڈائریکٹ ڈیموکریسی کو چھوڑ کر پرے اسلئے ہوتی رہی ہیں کہ عوام کی تعداد خواہ کتنی بھی کم ہو ان تمام کو ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ جمع کر کے اپنی پالیسی پر بحث کرنے، اسکا مطالعہ کرنے اور اسکے بارے میں فیصلہ کرنے کیلئے لانا ممکن نہیں تھا۔ اس سے پہلے براہ راست جمہوریت ایک ایسا یوٹوپیائی خیال رہا ہے جو حقیقت سے دور تھا۔ اس خیال کی جگہ حکومت بنانے کے دوسرے

نظریئے بھی آتے رہے ہیں ، جن میں نمائندہ اسمبلیوں کا نظریہ ، پارٹیوں کا ، مخلوط حکومتوں کا اور رائے شماریوں کا نظریہ شامل ہے۔
ان تمام نظریات نے عوام کو سیاسی سرگرمیوں سے کٹ جانے کی راہ دکھائی اور حکومتوں کو عوام کے اقتدار اعلیٰ کو لوٹنے کی ڈگر پر ڈالا اور عوام کی اتھارٹی کو حکمرانی کے ان آلات کار کے ہاتھوں میں دیا جو متواتر جاری رہے اور متنازعہ رہے اور کوئی ایک فرد ان کو کبھی طبقے کے ، کبھی فرقے کے ، کبھی قبیلے کے ، کبھی پارلیمنٹ کے اور کبھی پارٹی کے ذریعے شروع کرتا رہا۔

=====☆☆☆=====
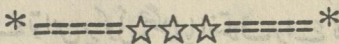
قانون

حکمرانی کے آلہ کار کے مسئلے کے ساتھ ساتھ دوسرا مسئلہ قانون کا ہے جو جدید دور میں ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔ حالانکہ تاریخ کے کچھ ادوار میں یہ مسئلہ حل کر لیا گیا تھا۔

کسی پارلیمینٹ یا کسی کمیٹی کے سپرد یہ کام کہ وہ پورے معاشرے کے لئے قانون بنائے غیر جمہوری اور غلط اقدام ہے۔ اس طرح یہ بھی غیر جمہوری اور غلط ہے کہ کوئی فرد یا کمیٹی یا پارلیمینٹ معاشرے کے قانون میں ترمیم کرے یا اسے ختم کر دے۔

تو پھر معاشرے کا قانون کیا ہے؟ کون اسے بناتا ہے اور جمہوریت کے لئے اس کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟۔

کسی بھی معاشرے کے لئے قانون کا قدرتی سرچشمہ مذہب ہوتا ہے یا رسم و رواج۔ ان دونوں سرچشموں سے ہٹ کر قانون بنانے کی ہر کوشش غلط اور غیر منطقی ہے۔ دستور یا آئین معاشرے کے قانون نہیں ہوتے۔ دستور بنیادی طور پر انسان کا بنایا ہوا قانون ہے اور انسان کے اس بنائے ہوئے قانون کے لئے جواز ہونا چاہئے

اس وقت آزادی کو در پیش مسئلہ یہ ہے کہ یہ آئین معاشرے کا دستور بن گئے ہیں اور ان آئینوں کی بنیاد رائج الوقت آمرانہ حکومتوں کے نظریات کے علاوہ اور کچھ نہیں جس میں ایک فرد سے لے کر پارٹی تک کے خیالات شامل ہیں۔

اس کا ثبوت یہ ہے اگرچہ آزادی انسان ایک ہی ہے مگر یہ آئین ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اس اختلاف کی وجہ حکمرانی کے مختلف آلات کار میں موجود فرق ہے۔

یہی وہ نقطہ ہے جہاں دنیا میں رائج نظاموں کے بیچ آزادی انسان کمزور پڑتی ہے۔ حکمرانی کے مختلف آلات کار عوام پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کرتے ہیں اس کا تعین آئین کرتا ہے اور قوانین کے بل پر اسے قبول کرنے پر عوام کو مجبور کیا جاتا ہے۔

ان قوانین کا ماخذ دستور ہوتا ہے جو بذاتِ خود حکمرانی کے اسی آلہ کار کی پیداوار ہے۔

آمرانہ حکمرانی کے بنائے ہوئے قانون نے فطری قانون کی جگہ لے لی ہے۔ چونکہ انسان کے بنائے ہوئے قانون نے قدرتی قانون کی

جگہ لے لی ہے اس لئے تمام اقدار کھو گئیں ہر جگہ کا انسان ایک ہی ہے اس کی جسمانی ساخت اور اس کی جبلت یکساں ہے۔ اسی لئے فطری قانون انسان کے لئے منطقی قانون قرار پایا۔ جو کہ یکساں ہے۔ پھر یہ ہوا کہ انسان کے بنائے ہوئے دستوروں نے انسان کو ایک دوسرے سے مختلف دیکھنا شروع کیا۔ اس تصور کا ان کے پاس سوائے اس کی کوئی جواز نہیں کہ یہ حکمرانی کے ذریعوں یعنی فرد پارلیمنٹ ' قبیلہ یا پارٹی وغیرہ کی عوام پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش ہے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جب طرز حکومت بدلتا ہے تو آئین بھی بدل دئے جاتے ہیں۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ آئین حکمرانی کے آلہ کار کی پیداوار ہوتا ہے اور اس کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے موجود رہتا ہے۔ یہ فطری قانون نہیں۔

جہاں کہیں بھی انسانی معاشرے کے اصلی قانون کی جگہ انسان کے بنائے ہوئے قانون جس کا مقصد عوام پر حکومت کرنا ہے نافذ ہیں انسانی آزادی مسلسل خطرے کی زد میں ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ حکومت معاشرے کے فطری قوانین کے مطابق ہو نہ کہ اس کے برعکس۔ معاشرہ حکومت کے قوانین کے مطابق ہو۔

اس لئے معاشرے کا قانون بنائے جانے کے لئے نہیں ہے۔

قانون کی اہمیت اس امر میں ہے کہ یہ سچ اور جھوٹ غلط اور صحیح اور فرد کے حقوق و فرائض کے مابین امتیاز کرنے میں فیصلہ کن رول ادا کرتا ہے۔ جب تک معاشرے کی بنیاد ایسے مقدس اور پائیدار قانون پر نہیں رکھی جائے گی جس میں کوئی حکمران ترمیم و تنسیخ نہ کرسکتا ہو آزادی انسان کو خطرہ لاحق رہے گا۔ اس کے برعکس ہر قسم کی حکومت کا یہ فرض ہے کہ معاشرے کے قانون کی پابندی کرے تاہم اس وقت دنیا بھر میں عوام پر انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی حکمرانی ہے۔ جنہیں طرز حکمرانی کے مابین جاری کشمکش کے نتیجے میں بدلا جاسکتا ہے یا منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ آئین کے بارے میں استواب رائے کافی نہیں کیونکہ خود استصواب رائے جمہوریت کا ڈھونگ ہے۔ جس میں صرف ہاں یا نہ میں جواب دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون کے تحت عوام استصواب رائے کے نتائج قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کسی آئین پر استصواب رائے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے معاشرے کے قانون کا درجہ حاصل ہوگیا اس کا بس اتنا مطلب ہوتا ہے کہ یہ ایک آئین ہے۔ ایک ایسی چیز جس پر

رائے شماری کرائی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

معاشرے کا قانون انسان کا دائمی ورثہ ہے۔یہ صرف حال میں زندہ لوگوں کی ملکیت ہی نہیں۔لہٰذا آئین کی تشکیل اور محض موجودہ رائے دہندگان سے اس کے بارے میں رائے لینا مضحکہ خیز ہے۔

انسان کے بنائے ہوئے قانون کے مجموعے جو اس کے بنائے ہوئے دستوروں سے ماخوذ ہیں۔وہ انسان کے خلاف مادی جرمانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔جبکہ روائتی قانون میں اس قسم کے جرمانے شاذو نادر ہی ملتے ہیں کیونکہ روائتی قانون جسمانی سزاؤں کی بجائے اخلاقی سزائیں نافذ کرتا ہے۔جو انسان کے لئے مناسب ہے روائیت مذہب میں جذب ہوتی ہے۔مذہب کی رو سے زیادہ تر جسمانی سزائیں یوم قیامت کے لئے رکھ دی گئی ہیں۔اس کے زیادہ تر قواعد پند و نصائع اور ہدایت پر مشتمل ہوتے ہیں۔اس قانون میں احترام آدمیت ہے۔دین دنیاوی سزاؤں کو تسلیم نہیں کرتا ماسوائے ایسے انتہائی ضروری مواقع کے جہاں یہ معاشرے کے تحفظ کے لئے ضروری ہو جاتی ہیں۔دین روائیت کو خود میں شامل کرلیتا ہے جو کسی بھی قوم کی فطری زندگی کا مظہر ہوتا ہے۔

اس طرح مذہب روائیت کو خود میں شامل کر کے فطری قانون کا اثبات کرتا ہے۔ انسان غیر مذہبی اور غیر روائتی قانون انسان ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے کے لئے بناتا ہے۔

لہٰذا وہ غلط ہیں کیونکہ ان کے ماخذ روائیت اور مذہب نہیں ہیں جو قانون معاشرہ کا قدرتی سرچشمہ ہیں۔

=====☆☆☆=====

معاشرہ کے افعال و کردار کی نگرانی کون کرے گا؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے معاشرے کو قانون سے انحراف سے کون روکے گا ؟ جمہوری نقطہ نظر کے مطابق کوئی فریق یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ وہ معاشرے کی نیابتی نگرانی کا حق رکھتا ہے۔ "معاشرہ خود اپنا نگران ہے" لہٰذا کوئی فرد یا جماعت اگر یہ دعوی کرتی ہے کہ وہ قانون کے لیے ذمہ دار ہے' آمریت ہے اس لئے کہ جمہوریت سے مراد ہے تمام معاشرہ کی ذمہ داری وجوابدہی۔ اندریں صورت نگرانی بھی تمام معاشرہ کی طرف سے ہو گی۔ یہ ہے جمہوریت۔ رہا یہ سوال کہ یہ صورت کیونکہ پیدا ہو گی ؟ تو وہ حکومت کی اس جمہوری مشینری کے ذریعہ ممکن ہے جو خود معاشرہ کی تنظیم سے ابھر کر نکلے گی عوامی بنیادی کانفرنسوں میں اور عوامی کانفرنسوں اور عوامی کمیٹیوں پر عمومی عوامی کانفرس (قومی کانفرنس) کے ذریعہ عوامی حکومت جہاں قومی کانفرنسوں کی کمیٹیاں' قومی انتظامی کمیٹیاں یونینیں امداد باہمی کی انجمن نیز دیگر جملہ پیشہ ورانہ تنظیمیں یکجا ملتی ہیں۔۔ اور اس نظریہ کے مطابق عوام ہی حکومت کی مشینری ہیں' الغرض اندریں حالت قوم خود اپنی نگران ہے۔ اس لیے یہ بات وجود پذیر ہو جاتی ہے کہ معاشرہ اپنے قانون کی بذات خود نگرانی کرے گا۔

جب معاشرہ اپنے قانون سے انحراف کرے تو اس کا رخ کیونکر درست کیا جائے؟

اگر حکومت کی مشینری آمرانہ ہو، جیسا کہ اس وقت تمام دنیا کے سیاسی نظاموں کا حال ہے تو معاشرہ کے پاس قانونی انحراف سے آگاہی اور اسے راہ راست پر لگانے کے لیے سوائے تشدد کے اور کوئی ذریعہ اظہار نہیں ہوتا۔ یعنی حکومت کی مشینری کے خلاف انقلاب اور انقلابی اقدام۔ تشدد و انقلاب کا راستہ، خواہ وہ معاشرہ کو اپنے اس احساس انحراف کے اظہار کے لئے اختیار کرنا پڑے ظاہر ہے کہ سارا معاشرہ اس میں شرکت نہیں کرے گا، بلکہ صرف وہی اس میں حصہ لے گا جو معاشرہ کے منشا کے اعلان کی ہمت و طاقت اور جرات و پیش قدمی کا حوصلہ رکھتا ہو۔ تاہم یہ طرز عمل بھی آمرانہ طریقہ ہے، کیونکہ یہ انقلابی پیش قدمی ضرورت انقلاب کے تحت ایک حکومت کی مشینری ابھی تک آمرانہ ہی رہی.. اس پر مستزاد یہ کہ تشدد اور طاقت کے ذریعہ ردو بدل بذات خود غیر جمہوری عمل ہے۔ اگرچہ یہ سابقہ غیر جمہوری صورت حال کی موجودگی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جو معاشرہ ابھی تک اس انجام کے چکر میں الجھا ہوا ہو وہ پسماندہ معاشرہ ہے۔ تو پھر اس کا حل کیا ہے؟

حل یہی ہے کہ قوم بنیادی عوامی کانفرنسوں سے لیکر عمومی عوامی کانفرنس تک

بذات خود حکومت کی مشنری ہو جائے۔ حکومت کی انتظامیہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اسکی جگہ قومی کمیٹیاں لے لیتی ہیں۔ عمومی عوامی کانفرنس قومی کانفرنس ہو جائے جہاں مقبول عوامی کانفرنس عوامی انتظامی کمیٹیاں .... امداد باہمی انجمنیں . . . یونینیں اور ہر قسم کی پیشہ ورانہ تنظیمیں یکجا مل جائیں۔ اس نظام میں جب معاشرہ کے قانون سے انحراف ہو تو اس کا علاج قوت کے استعمال کے بجائے جمہوری طریقے سے مراجعت کے ذریعہ کیا جائے۔ یہاں تبدیلی و علاج کا طریقہ کار اختیاری یا بامقصد عمل نہیں ہو گا۔ بلکہ اس جمہوری نظام کا ایک فطری اور اٹل نتیجہ ہو گا، اس لئے کہ اندریں حالت ایک گروہ کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا خارجی گروہ نہیں ہو گا جسے تشدد کی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جائے یا جسے انحراف کا جوابدہ ٹھہرایا جائے۔

صحافت

ایک عام شخص کو اظہار خیال کی آزادی ہے حتی کہ اگر وہ ذہنی اعتبار سے غیر متوازن ہے تب بھی غیر عقلی انداز میں حرکات کے ذریعہ اپنے پاگل پن کا اظہار کرتا ہے ایک گروہی شخص بھی اپنی گروہی شخصیت کی ترجمانی کرنے میں ازاد ہے، لیکن ہر دو حالت میں اول الذکر صرف اپنے آپ کی نمائندگی کرتا ہے، اور دوسرا ان عام اشخاص کے گروہ کی نمائندگی کرتا ہے جو اس کی شخصیت کے ذریعے اظہار پا رہا ہے ایک معاشرہ بہت سے عام اشخاص اور بہت سے منظم اشخاص سے مل کر بنتا ہے مثلاً ایک عام شخص کے احمقانہ رویہ کا یہ مطلب نہیں

کہ معاشرہ کے بقیہ افراد بھی اس کی طرح پاگل ہیں یعنی ایک عام شخص صرف اپنے آپ کی ترجمانی کرتا ہے لیکن گروہی شخص ادارے کے مفاد یا اس جماعت کی رائے کا ترجمان ہوتا ہے۔ چنانچہ تمباکو پیدا کرنے یا فروخت کرنے والی کمپنی اپنی ضرورت کے مطابق انھی لوگوں کے مفادات کی ترجمانی کرے گی جو اس کمپنی کے شرکاء ہیں یعنی تمباکو پیدا کرنے یا فروخت کرنے سے فائدہ اٹھانے والوں کی، خواہ وہ دوسروں کی صحت کے لئے مضر ہی کیوں نہ ہو۔

صحافت معاشرہ کی ترجمانی کا ایک وسیلہ ہے، وہ کسی عام یا گروہی فرد کی ترجمانی کا وسیلہ نہیں ہے لہٰذا منطقی یا جمہوری طور پر وہ ان دونوں میں سے کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔

ایک فرد جو کسی اخبار کا مالک ہو تو وہ اسی کا اخبار ہو گا اور صرف اسی کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرے گا، اور اس کا دعوی کہ یہ رائے عامہ کا ترجمان ہے باطل دعوی ہے جس کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ فی الحقیقت وہ ایک عام شخص کے نقطۂ نظر کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور جمہوریت کے اصول کے مطابق ایک عام شخص کو یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ کسی ذریعہ نشر و اشاعت یا اطلاعات کا مالک ہو جائے۔ لیکن اس کا یہ پیدائشی حق ہے کہ وہ کسی بھی واسطہ سے اپنی ذاتی ترجمانی کرے خواہ وہ دیوانہ پن ہی کیوں نہ ہو تاکہ اپنی دیوانگی کا ثبوت پیش کر سکے۔ بطور مثال وہ اخبار جو تاجروں کی یونین یا ایوان تجارت نکالے وہ معاشرہ کے صرف اسی گروہ کی رائے کے اظہار کا ذریعہ ہو گا جس سے وہ رائے عامہ کا

نہیں بلکہ صرف اپنا نقطہ نظر پیش کرے گا یہی صورت معاشرہ کے بقیہ عام افراد یا جماعتوں کے نمائندہ افراد کی ہو گی۔ جمہوری صحافت وہ ہی جسے عوامی کمیٹیاں جاری کرتی ہیں جو معاشرہ کے مختلف طبقات پر (جن میں مزدوروں عورتوں، طلبہ، کسانوں کارکیوں افسروں اور کاریگروں وغیرہ کی تنظیمیں) مشتمل ہوتی ہیں۔ صرف اور صرف اسی حالت میں صحافت یا ذرائع اطلاعات و نشریات کلی طور پر معاشرہ کے ترجمان اور اپنے عوامی طبقات کے نقطہ نظر کے نمائندہ ہونگے اور اس طرح جمہوری صحافت یا وسائل اطلاعات و نشریات جمہوری ہو جائیں گے۔

اگر ڈاکٹروں کی یونین کوئی اخبار نکالتی ہے تو اسے صرف یہی حق پہنچتا ہے کہ وہ خالص طبی ہو۔ اسی طرح اگر وکیلوں کی تنظیم کوئی رسالہ نکالتی ہے تو اسے صرف قانونی امور پر مشتمل ہونا چاہئے اور یہی باقی گروہوں پر بھی لاگو ہے ایک عام فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی اور کی ترجمانی کرے، اس طرح دنیا میں قطعی اور کلی طور پر جمہوری انداز سے وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے جسے "مسئلہ آزادی صحافت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آزادی صحافت کا مسئلہ جس پر ابھی تک جھگڑا چل رہا ہے بالعموم یہ جمہوریت کا پیدا کردہ مسئلہ ہے اور جب تک جمہوریت کا یہ پیچیدہ عقدہ پورے معاشرے میں کامل طور پر حل نہیں ہو جاتا اس کا حل بھی ممکن نہیں ہے۔ اور اس الجھے ہوئے مشکل ترین مسئلہ یعنی مسئلہ جمہوریت کے حل کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے تیسرا عالمی

نظریہ اس نظریہ کے مطابق جمہوری نظام باہم مربوط و پیوست اجزا سے بنا ہوا ایک ڈھانچہ ہے جس کی ہر اینٹ اپنے نیچے کی بنیادی عوامی کانفرنسوں، عوامی کانفرنسوں عوامی کمیٹیوں اور پیشہ ورانہ یونینوں سے جڑی ہوئی ہے اور آخر یہ سب عوامی عمومی کانفرنس کے جلسہ میں یکجا مل جاتی ہیں۔ اور ایک صحیح جمہوری عاشرہ کے لئے اس تصور کے علاوہ کوئی دوسرا تصور نہیں پایا جا سکتا۔

الغرض جمہوریتوں کے دور کے بعد عوامی دور نہایت تیز رفتاری سے ماری طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے نظریات و احساسات میں ہیجان بپا کر دیا ہے .. نگاہوں کو خیرہ کر رہا ہے، لیکن ایک طرف وہ عوام کو حقیقی آزادی کی نوید اور حکومت کی مشینریوں کے بندھنوں سے رستگاری کی خوش خبری دے رہا ہے.. دوسری طرف وہ اپنے بعد آنے والی بد نظمی، نراج اور ہلڑ بازی کے دور کے خطرہ کی نشاندہی بھی کر رہا ہے۔ جب تک کہ نئی جمہوریت میں عوام کا اقتدار قائم نہ ہو سکے اور فرد یا طبقہ یا قبیلہ یا گروہ یا پارٹی کا اقتدار عود نہ کر آئے۔

یہ ہے نظریاتی پہلو سے حقیقی جمہوریت لیکن جہاں تک عملی اور واقعی پہلو کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیشہ طاقتور ہی حکومت کرتے ہیں یعنی معاشرہ کا زیادہ طاقتور عنصر ہی حکمرانی کرتا ہے
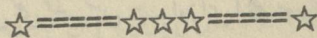
تیسرے عالمی نظریے کی معاشی بنیاد

تاریخی عمل میں بعض ایسے امور وقوع پذیر ہوئے ہیں جو کام اور اس کی اجرت کے مسئلے کو حل کرنے میں معاون بنے ہیں مثلاً آجر اور مزدور کے درمیان تعلق پیدا کار اور مالک کے درمیان تعلق وغیرہ ان امور میں مقررہ اوقات کار کا تعین اور اوور ٹائم (Over time) کی اجرت کا تعین اور مختلف قسم کی چھٹیاں کم از کم اجرت کا تعین منافع اور انتظام میں شراکت شامل ہیں - علاوہ ازیں یکطرفہ طور پر یہ برطرفی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا ہے اور Social Security کی ضمانت دی گئی ہے - جس کے ساتھ Strike کرنے کا حق اور بعض دوسرے حقوق جو بین الاقوامی طور پر جدید Labour law میں دئے گئے ہیں اس کے علاوہ ملکیتی قوانین کے میدان میں بھی جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہ بھی کم اہم نہیں ہیں جس میں آمدنی کے وسائل کو محدود رکھنے کا نظام یا نجی ملکیت کو غیر قانونی قرار دینے اور اسے سرکار کی تحویل میں دئے جانے کے طریقے وغیرہ شامل ہیں - اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود معاشی مسئلہ جوں کا توں موجود ہے اس میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوئی - اتنا ضرور ہوا ہے کہ جو مذکورہ بالا قسم کی تبدیلیاں اور حقوق وغیرہ اس اس مسئلہ کی سنگینی کم ہوگئی ہے اور محنت کشوں کو کچھ فوائد ضرور ملے ہیں -

تاہم یہ معاشی مسئلہ جامع طور پر حل نہیں ہو سکا یہ تمام کوششیں ملکیت کے مسئلہ پر ہی مرکوز رہی ہیں اس سے پیدا کاروں کا مسئلہ حل نہیں ہوا - ملکیت ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف تبدیل کردی گئی مگر اجرتی مزدور بدستور اجرتی مزدور ہی رہے - مزدوروں کی اجرتوں میں اضافے کی کوششیں اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ ملکیت کے تبادلے کی کوششیں مزدوروں کو صرف اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا کہ ان کی اجرتوں کے مسئلے کو قانون کے ذریعے تحفظ مل گیا اور انہیں ٹریڈ یونینوں کی بنیاد پر سودے کاری کا حق حاصل ہوگیا صنعتی انقلاب آنے کے بعد مزدوروں کو جو سخت حالات زندگی کا سامنا تھا ان میں ان تحریکوں کی بناء پر ان حالات میں بہتری پیدا ہوتی رہی ، اور ان کو وہ حقوق حاصل ہوگئے جن سے وہ محروم تھے مگر بنیادی مسئلہ جوں کا توں رہا یہ اجرتوں کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش مسئلہ کا حل ہرگز نہ تھا - یہ ایک مصنوعی سی کوشش ہے جس کا مقصد اصلاح ہے اور یہ مزدوروں کا حق تسلیم کرنے کی بجائے خیرات سے زیادہ قریب ہے - سوال یہ ہے کہ مزدوروں کو اجرت کیوں دی جاتی ہے کیونکہ وہ پیدا کرتے ہیں - وہ کوئی شے تیار کرتے ہیں ان لوگوں کے فائدہ کے لئے جو انہیں اس کام پر لگاتے ہیں اس طرح وہ جو شے پیدا کرتے ہیں اسے استعمال نہیں کرتے بلکہ اجرت کے بدلے میں مالک کے حوالے کردیتے ہیں - جبکہ صحیح اصول یہ ہے "وہ جو پیدا کرتا ہے وہی استعمال

کرتا ہے"

اجرتی مزدور ایک طرح کے غلام ہیں ان کی اجرتیں خواہ کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہوں وہ مالک کے لئے غلام ہی رہتا ہے اگرچہ اسی مالک کے لئے اس کی یہ غلامی عارضی ہے کیونکہ اس کی یہ غلامی کا وقت اس وقت تک ہے جب تک وہ مالک کے لئے کام کرتا ہے خواہ اس کا وہ مالک کوئی فرد ہے یا ریاست ہے (Worker) عامل کا تعلق اسی فرد یا ادارے کے ساتھ وہی رہتا ہے - وہ اجرتی مزدور ہی ہے - ملکیت کی شکلیں خواہ کچھ بھی ہوں پبلک سیکٹر کے ادارے اسے اسی طریقہ کار کے مطابق اجرت دیتے ہیں جس طرح سے پرائیوٹ کمپنیاں مزدور کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا وہ دونوں شکلوں میں مزدور ہی رہتا ہے - یہ دلیل کہ سرکاری ملکیت میں ساری آمدنی پوری قوم کو جاتی ہے جس میں مزدور بھی شامل ہوتے ہیں اس کے برعکس پرائیوٹ اداروں میں آمدنی کمپنی کے مالکوں کو جاتی ہے

ایسا اس صورت میں ہے کہ اگر ہم پوری قوم کے مفادات کو مد نظر رکھیں اور اس میں محض ورکروں کے مفادات کو خاص طور پر یہ سامنے نہ رکھیں اور بشرطیکہ وہ سیاسی اختیار جس کا تمام وسائل پر اجارہ ہے وہ غلام عوام کی سیاسی طاقت ہوں - اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اختیار میں تمام عوام شریک ہوں - وہ کسی خاص طبقے، خاص پارٹی، خاص فرقے

، خاندان، قبیلے، یا فرد واحد کا اختیار نہ ہو - تاہم مزدور اجرت منافع میں حصہ اور دوسرے فوائد براہ راست طور پر حاصل کرتے ہیں ان کی شکل دونوں صورتوں میں ایک سی ہے خواہ وہ پرائیویٹ اداروں سے حاصل کرلیں یا سرکاری اداروں سے - مطلب یہ ہے کہ دونوں پبلک اور پرائیویٹ اداروں میں مزدور کی حیثیت اجرتی کارکن کی رہتی ہے - اگرچہ مالک مختلف ہے مزدور نے جو پیدا کیا اس پر اس کا حق ہے یا سوسائٹی کا یا اجرت دینے والے کا یہ مسئلہ ملکیت کی تبدیلی سے حل نہیں ہوا - اس کا ثبوت یہ ہے کہ ملکیت میں تبدیلی کے باوجود پیدا کار اجرتی مزدور ہی رہتے ہیں - اس مسئلہ کا آخری حل اجرتی نظام کا خاتمہ ہے اور انسان کو ان بندھنوں سے آزاد کرا کے فطری قانون کی طرف واپس جانا ہے فطری قانون جس نے طبقات - حکومت اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین سے پہلے انسان اور انسان کے تعلق کی بنیاد رکھی تھی فطری قوانین ہی انسانی رشتوں کا پیمانہ ہیں اور وہی اس کا اصل سرچشمہ ہیں

فطری قانون ہمیں فطری سوشلزم کی طرف لے جاتا ہے جس کی بنیاد پیدائش دولت کے سارے عوامل کے درمیان مساوات پر ہے جس میں سارے افراد برابر ہیں پیدائش دولت اور صرف دولت میں برابری ہے - انسانی سماج کے اندر بدعنوانی اور خرابی کی بنیاد اسی وقت پیدا ہوئی جب قانون فطرت سے انحراف شروع ہوا انسان نے انسان کا استحصال شروع

کیا اور قدرت کی دی ہوئی نعمتوں پر غاصبانہ قبضہ شروع کیا اور اسے اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ سمیٹنا شروع کردیا - یہی استحصالی سماج کا آغاز تھا

اگر ہم زمانہ قدیم سے لے کر آج تک پیدائش دولت کے عوامل کا تجزیہ کریں تو اس کے لازمی اجزاء مندرجہ ذیل ہوں گے

خام مال - آلات پیدائش - اور پیدا کار

مساوات کا فطری اصول یہ بتاتا ہے کہ اس پیدائش میں ہر عامل کا حصہ ہے اگر ان میں سے کوئی ایک عامل نکال لیا جائے تو پروڈکش نہیں ہوگی - ہر عامل اس عمل پیدائش کا اہم کردار ہے جس کے بغیر عمل پیدائش رک جائے گا - جب پیدائش دولت کے عمل میں ان سب عوامل کا رول بنیادی ہے تو یہ اپنے مرتبے میں بھی برابر ہیں اس لئے جو پیدا ہوا جو پیدا کیا گیا اس پر سب کا حق بھی برابر ہے ایک کے لیے دوسرے کا حق غصب کرنا اصول مساوات کے منافی ہے یہ ایک کا دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ہے ہر عامل کا حصہ ہے اس سے قطع نظر کہ عوامل کی تعداد کتنی ہے اگر ہم کوئی ایسا عمل پیدائش پالیں جس میں صرف دو عامل ہوں - تو ہر ایک کا حصہ نصف ہوگا - اگر اس میں تین عامل ہوں تو ہر ایک 1/3 کا حق دار ہوگا - یہ فطری قانون قدیم اور جدید دونوں صورتوں پر منتطبق کریں تو مندرجہ ذیل صورت بنتی ہے

جب لوگ ہاتھ سے کام کرتے تھے تو پیدا واری عمل میں دو عامل تھے - خام مال اور پیدا کار یعنی آدمی بعد میں آلات پیدائش بھی شامل ہوگیا - اور انسان نے اسے پیدا واری عمل میں استعمال کرنا شروع کردیا - جانور کو آپ ایک آلے کے طور پر لیں جو کہ ایک Energy Unit تھا بعد میں اس میں مزید ترقی ہوئی اور جانور کی جگہ مشین نے لے لی - خام مال کی بھی مقدار اور شکل میں اضافہ ہوئے جس میں سادہ اور سستے خام مال کی جگہ زیادہ قیمتی اور زیادہ پیچیدہ قسم کے خام مال نے لے لی اس طرح ایک عام مزدور سے تکنیک کار اور انجینئر ہوگیا - اور پھر یوں ہوا کہ بہت سارے مزدوروں کی جگہ چند تکنیک کاروں نے لے لی اگرچہ پیدائش دولت کے عوامل کے بنیادی مقصد اور وصف دونوں میں تبدیلی ہوئی مگر ہر عامل کا بنیادی رول تو نہیں بدلا مثلاً لوہے کو لیں جو ایک پیدائش کا عامل ہے زمانہ ماضی اور حال دونوں میں استعمال ہوتا آیا ہے پہلے لوہار _ (اس سے) چاقو - کلہاڑی - نیزے بناتا تھا اب وہی لوہا بہت بڑی بڑی بھٹیوں میں تکنیک کاروں کے ہاتھوں مشین انجن اور بڑی بڑی موٹر گاڑیاں وغیرہ بنتی ہیں اسی طرح جانور مثلاً گھوڑا خچر اونٹ اور دوسرے جانور جو پیدا وار کے عوامل میں سے تھے ان کی جگہ اب کارخانوں نے اور بڑی بڑی مشینوں نے لے لی ہے پیدا وار کے وسائل جو پہلے قدیم طرز کے آلات ہوتے تھے ان کی جگہ

اب جدید قسم کے نازک آلات نے لے لی ہے اس ترقی کے باوجود عوامل پیدائش کا بنیادی رول تو اپنی جگہ قائم ہے - اور ان کا یہ بنیادی استحصال فطری قانون کو اور بھی مضبوط بناتا ہے لہٰذا مختلف زمانوں میں کی جانے والی تمام کوششوں کے بعد جو قانون فطرت کو نظر انداز کرتی تھیں اقتصادی مسئلہ حل کرنے کے لئے قدرت کے قانون کی طرف مراجعے کے سوا چارہ نہیں -

اقتصادی مسئلہ سے متعلق پرانے تاریخی نظریات میں اس مسئلہ کو یا تو ملکیت کے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی گئی یا اجرتوں کے تعین کے زاویے سے، انہوں نے اصل مسئلے یعنی پیدائش دولت کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی - اس طرح آج کل کی دنیا میں رائج نظام معیشت کی سب سے بڑی برائی اجرتی نظام ہے جو ورکر کو اس کی پیدا کی ہوئی شے میں کسی قسم کے حق سے محروم کرتا ہے خواہ یہ پیدائش سوسائٹی کے لئے کرے یا پرائیویٹ کمپنی کے لئے صنعتی ادارہ خام مال مشینوں اور مزدوروں پر مشتمل ہوتا ہے - پیداوار مزدوروں کے مشینوں کو استعمال کر کے خام مال سے چیزیں بنانے کا نتیجہ ہے اس طرح تیار شدہ مال ایک پیداواری عمل سے گذر کر بنتا ہے جو خام مال فیکٹری اور مزدوروں کے بغیر ناممکن ہوتا چنانچہ اگر ہم خام مال لے جائیں تو کارخانہ نہیں چل سکتا - اگر ہم کارخانہ بند کردیں تو خام مال سے کچھ بھی تیار

نہیں ہو سکتا - اور اگر ہم پیدا کار درمیان میں سے نکال لیں تو فیکٹری بند ہوجائے گی اس پیدا واری عمل میں تینوں عوامل برابر کی حیثیت رکھتے ہیں - تینوں کے بغیر پیدا وار ناممکن ہے اور ان میں سے کوئی ایک عامل بھی بنیادی عمل پورا نہیں کرسکتا - تینوں میں سے اگر دو بھی اکٹھے ہوجائیں تو وہ بھی پیدا واری عمل کو برقرار نہیں رکھ سکتے اس معاملے میں قانون فطرت کا تقاضہ ہے کہ تینوں عوامل کا حصہ برابر ہو ہم اس فیکٹری کی پیدا وار کو تین حصوں میں تقسیم کردیتے ہیں اس طرح ہر عامل کا تیسرا حصہ ہوگا اس میں صرف ایک فیکٹری ہی اہم نہیں ہے بلکہ اس کے صارفین بھی اتنے ہی اہم ہیں زرعی پیدا وار میں بھی یہی معاملہ ہے اگر تو صرف زمین اور کسان دونوں کا مسئلہ ہے اور اس میں آلات پیدائش شامل نہیں ہیں تو یہ ابتدائی قسم کی صنعتی عمل کے نمونے پر ہوگا جس میں پیدا وار کے دو حصے کئے جائیں گے کیونکہ عامل پیدا وار دو ہیں لیکن اگر آلائے زراعت بھی شامل ہیں مثلاً ٹریکٹر وغیرہ تو پیدا وار کے تین حصے ہوجائیں گے

اس طرح ایک ایسا سوشلسٹ نظام قائم کیا گیا ہے جس میں قانون فطرت کے مطابق تمام عوامل پیدا وار کا حصہ متعین ہے پیدا کار مزدور ہیں ہم انہیں پیدا کار اس لئے کہتے ہیں کہ لفظ " مزدور " " آجر " " محنت کار " وغیرہ لاگو نہیں ہوتے وجہ اس کی یہ ہے کہ روایتی معنوں

میں مزدور کہا جاتا ہے اُسی میں نوعیت کے اعتبار اور مقدار دونوں کا اعتبار سے تبدیلی آرہی ہے جوں جوں مشین اور سائنسی تکنیک میں ترقی ہورہی ہے محنت کش طبقے میں کمی آرہی ہے۔

ایسے سخت اور محنت طلب کام جسے پہلے مزدوروں کی ایک بہت بڑی تعداد سرانجام دیا کرتی تھی اب وہ ایک مشین کردیتی ہے۔ اور مشین چلانے کے لئے بہت کم مزدور چاہیں۔ اس سے محنت کاروں میں کمی آتی جارہی ہے۔ جبکہ جسمانی قوت کی جگہ تکنیکی قوت لیتی جارہی ہے جس سے محنت کار طبقے میں وصفی تبدیلی پیدا ہورہی ہے ایک قوت جو کلی طور پر عمل پیدائش سے متعلق تھی اب وہ عوامل پیدائش میں سے ہے ان باتوں کے نتیجے کے طور پر اب مزدور ایک ان پڑھ جاہل محنت کش گروہ سے بدل کر آہستہ آہستہ تکنیک کاروں، انجینئروں، اور سائنس دانوں میں تبدیل ہوتا جارہا ہے۔ نتیجتاً" ٹریڈ یونینیں ختم ہوتی جائیں گی اور ان کی جگہ پیشہ ورانہ سنڈیکیٹ لے لیں گے۔ کیونکہ سائنسی ترقی پیچھے نہیں جاسکتی۔ سائنسی ترقی کے نتیجے میں جہالت ختم ہوجائے گی اور عام مزدور بھی آہستہ آہستہ ناپید ہوتا جائے گا تاہم آنے والے زمانے میں بھی انسان کی حیثیت ایک اہم عامل پیداوار کے طور پہ رہے گی

ضرورت

وہ شخص آزاد نہیں ہے جس کی ضروریات پر کسی دوسرے کا کنٹرول ہے - کیونکہ ضرورت ایک انسان کو دوسرے کا غلام بنا سکتی ہے ضرورت ہی استحصال کی وجہ ہے - ضرورت انسان کا ایک ایسا مسئلہ ہے جو اس کے وجود کا حصہ ہے اور انسان کی ضرورت پر غلبہ سے ہی تصادم جنم لیتا ہے گھر کسی خاندان اور فرد کی بنیادی ضرورت ہے اس لئے یہ کسی دوسرے کی ملکیت نہیں ہونا چاہئے - وہ آدمی آزاد کیسے کہلا سکتا ہے جو کسی دوسرے کے گھر میں رہتا ہے خواہ وہ کرایہ ادا کرتا ہو یا نہ کرتا ہو مختلف ممالک نے جو ہاؤسنگ کا مسئلہ حل کرنے کی کوششیں کی ہیں وہ ناکافی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کوششیں انسان کے اس بنیادی مسئلہ کے حل کے لئے انقلابی اقدامات کی حیثیت نہیں رکھتیں اور انسان کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ گھر ہر آدمی کی بنیادی ضرورت ہے یہ کوششیں کرائے میں کمی یا زیادتی یا ان کا ایک معیار متعین کرنے سے متعلق ہیں - سوشلسٹ سوسائٹی میں کسی کو کسی دوسرے شخص کی ضروریات پر کنٹرول حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہیں

کسی شخص کو اپنے گھر کے علاوہ دوسرا مکان بنانے کی اجازت نہیں ہے جس کا مقصد اسے کرائے پر دینا ہو کیونکہ مکان دوسرے شخص کی بنیادی ضرورت کی نمائندگی کرتا ہے اور اسے کرایہ پر دینے کے لئے تعمیر کرنے

کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کسی دوسرے کی ضرورت پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے اور آزادی ضرورت کے اندر پوشیدہ ہے

آمدنی کسی شخص کی لازمی ضرورت ہے اس طرح کسی شخص کی آمدنی کسی اور وسیلے کی اجرت یا خیرات نہیں ہونی چاہئے کیونکہ سوشلسٹ سوسائٹی میں اجرتی مزدور نہیں ہیں صرف حصہ دار ہیں آپ کی آمدنی پرائیویٹ ملکیت کی ایک شکل ہے - آپ اس کا اہتمام یا تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کرتے ہیں یا عمل پیدائش میں حصے کے لئے جہاں آپ اس کے عوامل میں سے ہیں - آپ کا حصہ کسی دوسرے کو اجرت دینے کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا - آپ کی گاڑی آپ کی اور آپ کے خاندان کی ضرورت ہے سو آپ کی گاڑی بھی دوسرے کی ملکیت نہیں ہونی چاہئے سوشلسٹ سوسائٹی میں کوئی شخص یا کوئی ادارہ نجی گاڑیاں اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا کہ وہ اسے کرائے پر چلائے کیونکہ یہ بھی دوسرے کی ضرورت پر کنٹرول کرنے کے مترادف ہے

زمین

زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے لیکن ہر کوئی اسے استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے - اس پر کام کر کے اس میں کاشتکاری کر کے یا اسے چراہ گاہ بنا کر اس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے اور یہ پوری زندگی کے لئے ہے اور اس کے وارثوں کی زندگی کے لئے ہے کہ وہ اپنی محنت سے کسی دوسرے کی محنت سے نہیں کسی اجرت کے بغیر اس پر کام کرکے اپنی ضروریات پوری کر لے - اگر کسی کو اس زمین پر قبضے کی اجازت ہے تو صرف وہی لوگ اس میں حصہ دار ہیں جو وہاں رہتے ہیں زمین تو مستقل ایک جگہ رہنے والی ہے جبکہ اس کو استعمال کرنے والوں میں تبدیلی آسکتی ہے وہ اپنا پیشہ تبدیل کرسکتے ہیں نئی سوشلسٹ سوسائٹی قائم کرنے کا مقصد ایک ایسی سوسائٹی پیدا کرنا ہے جو خوش ہے کیونکہ وہ آزاد ہے یہ انسان کی روحانی اور مادی ضروریات پوری کر کے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے - اور یہ سب صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب کسی فرد کی ضروریات دوسروں کے کنٹرول اور غلبے سے آزاد ہوں

ان ضروریات کی تسکین دوسروں کو غلام بنائے بغیر کی جانی چاہیئے بصورت دیگر یہ سوشلسٹ سوسائٹی کے مقصد کی نفی کرے گی - نئے سماج میں انسان اپنی مادی ضروریات کی تکمیل کے لئے کام کرتا ہے یا ایک

مشترکہ ادارے کے لئے کام کرتا ہے جس کی پیداوار میں وہ حصہ دار ہے یا وہ سرکاری خدمات سرانجام دیتا ہے جس کے بدلے میں سرکار اس کی مادی ضروریات پوری کرتی ہے نئی سوشلسٹ سوسائٹی میں معاشی عمل پیدا واری عمل ہوگا جس کا مقصد مادی ضروریات پوری کرنا ہے یہ غیر پیدا واری عمل نہیں ہے یا ایسا عمل جس کا مقصد منافع کمانا ہو اور اپنی ضروریات پوری کر کے باقی جمع کرنا ہو نئے سوشلزم کے ضابطوں کے مطابق ایسا ناممکن ہوگا انسان کے معاشی عمل کا جائز مقصد صرف اس کی ضروریات کی تکمیل ہے کیونکہ دنیا کی دولت صرف اس کی ضروریات کی تکمیل ہے کیونکہ دنیا کی دولت محدود ہے جس طرح کہ ہر ملک یا قوم کی دولت محدود ہے اس لئے کسی فرد کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی ضروریات سے زیادہ مال ہتھیانے کے لئے اقتصادی عمل کرے کیونکہ اس کی ضروریات سے جو زیادہ ہے وہ دوسروں کا حق ہے - وہ اپنی ضروریات میں سے بچت کرنے کا حق رکھتا ہے یا اپنی پیدا کی ہوئی چیز سے بچا سکتا ہے مگر دوسروں کی محنت کے پھل میں سے نہیں اور نہ ہی دوسروں کی ضروریات کی قیمت پر کیونکہ اگر ہم معاشی عمل کو اپنی ضروریات کی تسکین کی حدود سے زیادہ پھیلنے کی اجازت دیں تو ایک آدمی اپنی ضروریات سے زیادہ صرف اسی صورت میں ہتھیائے گا جب وہ دوسروں کو اپنی ضروریات پوری کرنے سے روکے گا - ایک آدمی کی

ضرورت سے زیادہ دولت دراصل کسی دوسرے کا حصہ ہے جو اس نے ہتھیا لیا ہے

ضروریات سے زیادہ حاصل کرنے کی اجازت دینا استحصال ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی ضروریات سے زیادہ لے رہے ہیں - اور یہ کمی پوری کرنے کے لئے دوسروں کا حق استعمال کرتے ہیں یا اپنی ضروریات سے شخص کو اپنی ضروریات کی قیمت پر بچت کرنے یا اسے دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے استعمال کرنے سے ہی ممکن ہے اجرت پر کام کرنا غلامی کے علاوہ بغیر کسی رغبت کے کام کرنا ہے کیونکہ پیدا کار اجرتی مزدور ہے حصہ دار نہیں جو شخص بھی اپنے لئے کام کررہا ہے وہ خود کو پیداواری عمل کے لئے وقف کردیتا ہے کیونکہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کام کررہا ہے اور اسی پر اس کا انحصار ہے جو کوئی سوشلسٹ کارپوریشن کے لئے کام کرتا ہے وہ پیداوار کے لئے اس کی لگن کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اسی سے اپنی ضروریات کی تسکین کرتا ہے لیکن جو کوئی بھی اجرت پر کام کرتا ہے اس کے لئے کام میں ترغیب نہیں ہے اجرتی کام سے پیداوار میں ترقی اور اضافے کا مسئلہ حل کرنے میں ناکام رہا ہے کام میں مسلسل تنزلی ہوتی رہتی ہے کیونکہ اجرتی مزدوروں کے کندھوں پر اس کا بوجھ ہے قوم کے لئے اجرتی کا. اور نجی ادارے کے لئے اجرتی کام اور بغیر اجرت کے کام میں فرق کی

مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) ایک مزدور جو سوسائٹی کے لئے دس سیب پیدا کرتا ہے سوسائٹی اسے اس کے لئے ایک سیب دیتی ہے ایک سیب اس کی ضروریات پوری کرتا ہے

(ب) ایک مزدور جو سوسائٹی کے لئے دس سیب پیدا کرتا ہے سوسائٹی اسے ایک سیب دیتی ہے لیکن یہ ایک سیب اس کی ضروریات کے لئے کافی نہیں ہے

(ج) ایک مزدور جو دس سیب پیدا کرتا ہے کسی دوسرے آدمی کے لئے اور اسے ایک سیب کی قیمت سے کم اجرت ملتی ہے ایک ورکر جو دس سیب اپنے لئے پیدا کرتا ہے

نتیجہ

پہلی مثال میں وہ سیبوں کی پیداوار میں اس لئے اضافہ نہیں کرے گا کیونکہ اسے تو ایک ہی سیب ملے گا اس لئے کہ اس کی ضروریات ایک سیب سے پوری ہوجاتی ہیں لہٰذا وہ تمام لوگ جو ایسی سوسائٹی کے لئے کام کرتے ہیں وہ نفسیاتی طور پر بے حس ہوجاتے ہیں

دوسری صورت میں پیداوار میں ہی اس کے لئے کوئی ترغیب نہیں ہے کیونکہ وہ سوسائٹی کے لئے پیدا کررہا ہے جبکہ اس کی اپنی ضروریات پوری نہیں ہورہیں تاہم وہ کام کرنے پر مجبور ہے اگرچہ اسے اس کام

سے کوئی رغبت نہیں اور یہ تقریباً اس سوسائٹی کے ہر فرد کی صورت حال ہے

مثال نمبر دو (2) میں صورت یہ ہے کہ وہ مزدور یا پیدا کار پیدا کرنے کے لئے کام نہیں کررہا بلکہ اجرت کے لئے کام کررہا ہے کیونکہ اس کی اجرت اس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہے یا تو وہ کسی اور مالک یا ادارے کی تلاش میں رہے گا اور اپنی محنت کی زیادہ بہتر قیمت وصول کرنے کی کوشش کرے گا یا زندہ رہنے کے لئے وہی کام کرتے رہنے پر مجبور ہوگا

تیسری مثال میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں وہ بغیر کسی بے حسی کے اور بغیر کسی جبر کے کام کررہا ہے سوشلسٹ سوسائٹی میں ایسی نجی پیدا کا امکان ہی نہیں جو انفرادی ضروریات کی کفالت سے زیادہ ہو کیونکہ دوسروں کی ضروریات کی کفالت کی قیمت پر اپنی ضروریات پوری کرنے کی اجازت نہیں اور چونکہ قومی ملکیتی ادارے پورے سماج کی ضروریات کی تکمیل کے لئے کام کرتے ہیں تو یہ تیسری مثال تمام حالات میں پیدا واری عمل جاری رہتا ہے اس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ سماج میں پیدا وار چند مالکوں کے ہاتھوں میں جمع ہوتی رہتی ہے اور پھیلتی رہتی ہے جو خود کام نہیں کرتے بلکہ محنت کاروں کی محنت کا استحصال کرتے ہیں کیونکہ وہ مزدور زندہ رہنے کے لئے کام کرنے پر مجبور ہیں

تاہم سبز کتاب نا صرف مادی پیدا وار کا مسئلہ حل کرتی ہے بلکہ انسانی سماج کے مسائل کا جامع حل بھی پیش کرتی ہے تاکہ فرد کو مادی اور روحانی آزادی حاصل ہو - وہ آزادی جو حصول مسرت کے لئے ضروری ہے -

دوسری مثال

اگر ہم فرض کریں کہ پوری قومی دولت دس یونٹ ہے اور آبادی دس افراد ہیں تو ہر ایک کے حصے میں ایک ایک یونٹ آئے گا۔ اگر کسی فرد کے قبضے میں ایک سے زیادہ یونٹ ہے تو اسی قوم کے کسی دوسرے فرد کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے حصے کا یونٹ دوسرے نے لے لیا ہے اسی طرح سے ایسی سوسائٹی میں غریب اور امیر پیدا ہوتے ہیں جہاں استحصال کا دور دورہ ہو

آپ فرض کریں کہ اس سوسائٹی کے پانچ ممبروں کے قبضے میں دو دو یونٹ ہیں اس طرح سے باقی ماندہ پانچ جو ہیں ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا گویا اس سوسائٹی کے پچاس فیصد کا حق غصب ہوگیا کیونکہ ان کے حصے کا ایک ایک پوائنٹ دوسرے پانچ افراد نے اپنے قبضے میں کرلیا اگر اس سوسائٹی کے ایک فرد کی ضرورت دولت کے ایک یونٹ سے پوری ہوجاتی ہے تو ایسا فرد جس کے قبضے میں ایک سے زیادہ یونٹ ہیں اس نے سوسائٹی کے دوسرے فرد کا حق مارا ہے چونکہ یہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ لہٰذا اس نے اسے ذخیرہ اندوزی کے لئے چھین رکھا ہے دولت کی یہ ذخیرہ اندوزی دوسروں کی ضروریات اور دوسروں کا حق چھین کر ہی ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ سوسائٹی میں چند ایسے لوگ ہیں جو دولت پر

قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور اسے خرچ نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کی ضرورت سے زیادہ ہے اور بعض ایسے ہیں جو قومی دولت میں اپنا حق مانگ رہے ہیں کیونکہ وہ اس سے محروم ہیں اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں حقیقت میں یہ چوری اور لوٹ ہے مگر چونکہ اس سوسائٹی میں غیر منصفانہ اور استحصالی قوانین نافذ ہیں اس لئے ان کا یہ عمل قانون کے مطابق اور جائز قرار پاتا ہے

المقصد جو ضرورت سے زیادہ ہے اس پر سوسائٹی کے تمام افراد کا حق ہونا چاہئے فرد کو اپنی ضرورت میں سے بچت کرنے کا حق ہونا چاہئے کیونکہ جو ضروریات سے زیادہ ہے اس کی زخیرہ اندوزی کرنا قومی دولت کے اوپر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے ایک ہنر مند اور محنتی کو بھی اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ اپنی ہنر مندی کے بل بوتے پر دوسروں کا حصہ ہتھیائے مگر انہیں اپنی محنت کے فوائد پر حق ہونا چاہئے اسی طرح ایک معذور شخص کے لئے اس کا حصہ محفوظ ہونا چاہئے جتنا کہ ایک صحت مند کے لئے ہے۔ ایک قوم کی دولت ایک کارپوریشن کی طرح ہے یا سپلائی سٹور کی طرح جو روزانہ اپنے اراکین کو سپلائی کرتا ہے جو کہ ان کی روز کی ضرورت کے لئے کافی ہے اب اس حصے میں سے کوئی شخص بچانا چاہتا ہے تو یہ اس کا حق ہے اس معاملے میں وہ اپنی ہنر مندی بھی استعمال کرسکتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنی استعداد اپنے حصے سے زیادہ

حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے وہ بلاشبہ چور ہے اس لئے جو اپنی ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنے کے لئے اپنی صلاحیتیں استعمال کررہا ہے وہ عوام کے حقوق غصب کرنے کی کوشش کررہا ہے نئی سوشلسٹ سوسائٹی میں لوگوں کی دولت کے مابین فرق صرف انہیں لوگوں کے لئے جائز ہے جو قومی خدمت سرانجام دیتے ہیں قوم ان کی خدمات کے برابر قومی دولت میں سے ان کا حصہ مقرر کردیتی ہے افراد کے حصوں میں فرق ان کی قومی خدمت کا اور جو وہ پیدا کرتے ہیں اس کی روح سے ہے اس طرح تاریخ کے تجربوں نے ایک نئے تجربے کو جنم دیا ہے جس میں انسان کی حصول آزادی اور حصول مسرت کی جدوجہد اپنی آخری منزل تک پہنچ جاتی ہے جس میں وہ اپنی ضروریات بھی پوری کرتا ہے اور دوسروں کے استحصال سے بھی بچ جاتا ہے ظلم کا خاتمہ کرتے ہوئے اور قومی دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے وہ آخری مسرت کی منزل پالیتا ہے نئے تجربے آپ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے خود کام کرتے ہیں بجائے اس کے کہ دوسرے آپ کے لئے کام کریں اور آپ دوسروں کی محنت پر گزارہ کریں یا دوسروں کا حق چھیننے کے لئے کام کریں یہ انسان کو ضروریات سے نجات دلانے کا نظریہ ہے

اس طرح نئی سوشلسٹ سوسائٹی اس دنیا میں موجود غیر منصفانہ رشتوں کے باہمی ٹکراؤں کے نتیجے میں وجوہ پذیر ہوئی ہے ۔ اس میں ایک فطری

حل پیش کیا ہے جس کا نام غیر استحصالی نجی ملکیت اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی ملکیت ہے جس میں پیدا کار حصہ داروں کا نظام ہے ایک ایسی نجی ملکیت جس کی بنیاد اجرتی مزدوروں کی محنت پر ہو اس کی جگہ اجتماعی ملکیت کا نظام قائم کردیا گیا ہے

جو بھی اس گھر کا مالک ہے جس میں آپ رہتے ہیں اس گاڑی کا مالک ہے جس میں آپ سواری کرتے ہیں اور اس آمدنی کا مالک ہے جس سے آپ گذارہ کرتے ہیں وہ آپ کی آزادی یا اس کے ایک حصے کا مالک ہے اور جبکہ آزادی ناقابل تقسیم ہے۔ انسان کی خوشی آزادی میں ہے کسی بھی شخص کو خوش ہونے کے لئے اس کا آزاد ہونا لازمی ہے اور آزاد ہونے کے لئے لازمی ہے کہ اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو جس شخص کا بھی آپ کی ضروریات پر قبضہ ہے اس کا آپ پر بھی قبضہ ہے وہ آپ کا استحصال کرتا ہے غلامی کے غیر قانونی ہونے کے باوجود وہ آپ کو غلام بنا سکتا ہے انسان کی مادی ضروریات۔ روٹی کپڑا۔ مکان اور ذریعہ نقل و حمل ہے یہ اس کی نجی ملکیت میں ہونے چاہیں یہ کسی سے بھی کرائے پر حاصل نہیں کئے جانے چاہیں اگر وہ انہیں کرائے پر لینے پر مجبور ہے تو اس کے اصل مالک خواہ وہ کوئی فرد ہو یا سوسائٹی ان کا اس کی نجی زندگی میں دخل ہوجاتا ہے وہ اس کی مادی ضرویات پر کنٹرول کرلیتے ہیں اور اس کی آزادی پر غالب آجاتے ہیں اور اسے

بنیادی مسرت سے محروم کردیتے ہیں ایک شخص نے کرائے کا لباس پہن
رکھا ہو تو اس کا مالک اسے راہ چلتے میں روک کر اتروا سکتا ہے ننگا
کرسکتا ہے اسی طرح گاڑی کا مالک بیچ سڑک میں روک کر اسے اتار سکتا
ہے اسی طرح گھر کا مالک جب چاہئے اسے بے گھر کرسکتا ہے۔

بد قسمتی دیکھئے کہ انسان کی بنیادی ضروریات قانونی اور انتظامی پہلوؤں
سے ماپی جاتی ہیں۔ بنیادی طور پر سوسائٹی کی اساس فطری قانون پر ہونی
چاہئے جو بنیادی ضروریات پر لاگو ہو سوشلسٹ سوسائٹی کا مقصد انسان کی
مسرت کا حصول ہے جو محض مادی اور روحانی آزادی کے ذریعے حاصل
ہوسکتی ہے اور اس آزادی کا دار و مدار اس کی اپنی ضروریات پر کنٹرول
کی حد تک ہے۔ یہ کنٹرول جو ذاتی ہے اور مقدس ہے آپ کی ضرورت
نہ تو کسی دوسرے کے قبضے میں ہونی چاہئے اور نہ ہی سوسائٹی کے کسی
طبقے کی حرص کا نشانہ ہونی چاہئے ورنہ آپ ہمیشہ پریشانی میں رہیں گے۔
جو آپ کی خوشی کو کھا جائے گی۔ آپ کی آزادی سلب کرلے گی کیونکہ
آپ ہر وقت بیرونی مداخلت کے خطرے سے دوچار رہیں گے موجودہ
سوسائٹیوں میں انقلاب لانے اور انہیں اجرتی محنت کے سماج سے حصے
داری کے سماج میں بدلنا ابدی ہے کیونکہ یہ اقتصادی میدان میں کار فرما
مختلف نظریات کی جدلیات کا تقاضا ہے اجرتی نظام میں جو غیر منصفانہ
انسانی رشتے بنتے ہیں اور ان سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا لازمی

نتیجہ ہے کہ نیا نظام لایا جائے ۔ سرمایہ دارانہ ممالک میں' ٹریڈ یونینوں نے جو طاقت حاصل کرلی ہے وہ اجرتی محنت کی سوسائٹیوں کو حصہ داری کی سوسائٹیوں میں بدلنے کی اہلیت کے قابل ہوگئی ہیں ۔

گمان غالب ہے کہ سوشلزم کے لئے انقلاب اس وقت پھوٹ پڑے گا جب پیدا کرنے والے پیداوار میں شراکت مانگیں گے مزدوروں کی ہڑتال کا مقصد اجرتوں میں اضافے کے مطالبے سے پیداوار میں حصے کے مطالبے میں بدل جائے گا ۔

اور یہ جلد یا بدیر سبز کتاب کی راہنمائی میں وقوع پذیر ہوگا ۔ لیکن آخری اقدام تاوقت وہی ہوگا جب سوشلسٹ سماج اس منزل پر پہنچے گا جہاں منافع اور پیسہ دونوں غائب ہوجائیں گے

یہ سماج کو مکمل طور پر پیداکار سماج میں تبدیل کرنے سے اور پیداوار کی اس سطح پر پہنچانے کے ذریعے سے ہوگا جہاں ہر فرد کی بنیادی ضروریات تسلی بخش طور پر پوری ہونگی آخری مرحلے میں منافع کا تصور خود بخود ختم ہوجائے گا اور پیسے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی

منافع کا تصور اصل میں استحصال کو تسلیم کرنا ہے کہ منافع کے وجود کو مان لینے کا مطلب اس کو محدود رکھنے کے امکان کو ختم کردیتا ہے منافع کو محدود رکھنے کے مختلف اقدام اصل میں اصلاح کی کوششیں ہیں ایک

انسان کا دوسرے کے ہاتھوں استحصال کا مکمل خاتمہ نہیں

آخری حل منافع کو ختم کرنا ہے مگر چونکہ منافع کا تصور معاشی عمل کا اصل محرک ہے اس لئے اسے ختم کرنے کا فیصلہ اتنا آسان بھی نہیں یہ ایک اجتماعی پیداوار میں ترقی کے نتیجے کے طور پر ہونا چاہیۓ

اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے اگر سوسائٹی کی تمام مادی ضروریات پوری کی جاسکیں منافع میں اضافے کی کوشش بلاخر اس کے خاتمے پر منتج ہوگی

گھریلو ملازمین

گھریلو ملازمین خواہ وہ تنخواہ پر ہوں یا بلا تنخواہ ایک طرح کے غلام ہیں ۔ حقیقت میں وہ دور حاضر کے غلام ہی ہیں مگر چونکہ نئی سوشلسٹ سوسائٹی کی بنیاد پیداوار میں حصہ داری پر ہے اجرت نہیں فطری سوشلسٹ قانون ان پر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ وہ پیدا نہیں کرتے خدمت سرانجام دیتے ہیں ۔

اور خدمات کا کوئی مادی وجود نہیں کہ اس کے حصے کیۓ جاسکیں جیسے کہ عام پیداوار کے کیۓ جاتے ہیں ۔ اس لئے گھریلو ملازمین کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اجرت پر یا بغیر اجرت پر کام کریں ۔

چونکہ اجرتی مزدور ایک طرح کے غلام ہی ہوتے ہیں اور ان کی غلامی
اس وقت تک وجود رکھتی ہے جب تک وہ اجرت پر کام کرتے ہیں۔
اس لئے گھریلو ملازمین کی صورت عام اجرتی مزدوروں سے بھی بد تر ہے
جو کاروباری اداروں میں کام کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں سماج کی غلامی سے
نجات دلانے کی ضرورت عام اجرتی مزدوروں سے کہیں زیادہ
ہے گھریلو ملازمین کی معاشرتی حالات کو غلامی سے تھوڑا سا ہی بہتر کہہ
سکتے ہیں

تیسرے عالمی نظریے کو ہر قسم کی ناانصافی جبر و استحصال اور معاشی و
سیاسی غلبے کی زنجیروں سے نجات کی نوید قرار دیا جاسکتا ہے اس کا مقصد
ایک ایسے معاشرے کی تعمیر ہے جہاں تمام لوگ آزاد اور برابر ہوں وہ اختیار
اور دولت اور اسلحہ میں برابر کا حصہ رکھتے ہوں تاکہ آزادی کی آخری اور
مکمل فتح حاصل ہو۔

لہٰذا سبز کتاب اجرتی مزدوروں اور گھریلو ملازمین کے گروہ کثیر کو
نجات کی راہ دکھاتی ہے تاکہ آزادی انسان حاصل ہو لہٰذا یہ ضروری ہے
کہ بلکہ لازمی ہے کہ گھریلو ملازمین کو غلامی کی حالت سے چھٹکارا دلانے
کی جدوجہد کی جائے اور انہیں گھروں سے باہر پیداواری عمل میں شامل
کر کے ان کا حصہ دلایا جائے گھر کا کام گھر میں رہنے والے خود کریں۔
لیکن گھر میں ضروری خدمات کے مسئلے کو بلا تنخواہ یا تنخواہ دار خادمین

کے ذریعے حل نہیں کرنا چاہتے بلکہ ایسے کارکنوں کے ذریعے جنہیں گھریلو کاموں کی انجام دہی کے دوران ترقی دی جاسکتی ہو اور انہیں تمام سماجی اور مادی تحفظات حاصل ہوں جو دوسرے سرکاری ملازمین کو حاصل ہیں

حصہ سوم

تیسرے عالمی نظریے کی سماجی بنیاد

سماجی یا قومی عنصر انسانی تاریخ کا اہم ترین محرک ہے سماجی رشتے جو ہر انسانی گروہ کو یعنی خاندان سے لیکر قبیلہ اور قوم تک ایک دوسرے سے مربوط کرتے ہیں یہ تاریخی سفرالقہقریٰ کی وجہ سے ہے۔ تاریخ میں ہیرو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اعلیٰ مقاصد کے لئے قربانیاں دیں۔ لیکن کن مقاصد کے لئے؟ انہوں نے دوسروں کے لئے قربانیاں دیں۔ لیکن کن دوسروں کے لئے؟ یہ وہ ہیں جن کا ان سے رشتہ ہے جو قوم کے مختلف لوگوں کے درمیان ہوتا ہے۔ کیونکہ قوموں کی تعمیر تصور قومیت پر ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ مقاصد قومی مقاصد ہوتے ہیں اور قومی رشتہ سماجی رشتہ ہے۔ سماجی رشتہ سماج سے جنم لیتا ہے۔ جو ایک سماج کے اراکین کے مابین ہوتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح قوم پرستی قوم سے نکلتی ہے۔ ایک ہی قوم کے مختلف افراد جس رشتے میں پروئے ہوتے ہیں اس طرح سے سماجی رشتہ قومی رشتہ ہے اور قومی رشتہ سماجی رشتہ ہے۔ کیونکہ گروہ ایک قوم ہے اور قوم

ایک گروہ ہے۔ اگرچہ یہ تعداد میں مختلف ہوں قطع نظر اس کے کہ
گروپ کی تعریف کو ذرا وسیع کر لیا جائے جس کا مطلب ہے کہ کسی
گروہ کے قومی رابطوں کو عارضی طور پر نظرانداز کر دیا جائے.. یہاں
گروہ سے مراد ایسا گروہ ہے جو مستقل قومی رشتے کا حامل ہو'۔ علاوہ
ازیں تاریخی تحریکیں عوامی تحریکیں ہیں گروہوں کی اپنے مقاصد کے
لئے تحریکیں۔ کسی دوسرے گروہ سے ازادی کے لئے تحریک۔ ہر
گروپ کا ایک اپنا سماجی ڈھانچہ ہوتا ہے جو اسے آپس میں مربوط رکھتا
ہے گروہی تحریکیں ہمیشہ کسی دوسرے گروہ کے غلبے یا غلامی سے
ازادی کی تحریکیں ہوتی ہیں۔ جہاں تک حصول اقتدار کی جدوجہد کا
تعلق ہے تو یہ گروہ کے اندر خاندان کی سطح تک بھی وقوع پذیر ہوتی
ہے جیسا کہ کتاب کے پہلے حصے میں بتایا گیا جو تیسرے عالمی نظریے کی
سیاسی اساس سے بحث کرتا ہے۔ گروہی تحریک ایک قومی تحریک ہوتی
ہے جو قومی مفاد کے لئے کی جاتی ہے۔ اپنے قومی ڈھانچے کی بنا پر گروہ
کی کچھ مشترکہ ضروریات ہوتی ہیں جنہیں اجتماعی طور پر پورا کیا جانا
چاہئے یہ کوشش انفرادی نہیں ہوتی بلکہ اجتماعی ہوتی ہیں مثلاً
ضروریات حقوق۔ مطالبات۔ یا ایک قوم کے مقاصد۔ اسی لئے ان

کو قومی تحریکیں کہا جاتا ہے۔ عہد حاضر کی قومی تحریکیں بذاتہ سماجی تحریکیں ہیں۔ یہ اس وقت تک ختم نہیں ہوں گی جب تک ہر گروہ دوسرے کے غلبے سے آزاد نہیں ہو جاتا۔ دنیا اس وقت تاریخ کے جس دور سے گزر رہی ہے وہ قوم پرستی یا قومی نظریے کی حمایت کے لئے قومی جدوجہد ہے

انسان کی دنیا میں یہ تاریخی حقیقت ہے اور یہی سماجی حقیقت۔ اس کا مطلب ہے کہ قومی جدوجہد، سماجی جدوجہد ہی تاریخ کی حرکت کی بنیاد ہے۔ کیونکہ یہ باقی تمام عوامل سے زیادہ طاقت ور ہے یہی اصل ہے، یہی بنیاد ہے۔ اور یہ گروہ انسانی اور قوم کی فطرت میں ہے ۔ یہی زندگی کی فطرت ہے۔

انسان کے علاوہ دوسرے جانور گروہ کی شکل میں رہتے ہیں۔ اور عام حیوانات میں، مختلف گروہوں کی بقاء کی بنیاد اس گروہی زندگی میں ہے اسی طرح قوم پرستی کا تصور قوموں کی بقاء کی بنیاد ہے۔ جن قوموں میں جذبہ قومیت تباہ ہو جاتا ہے وہ بھی تباہ ہو جاتی ہیں۔ اقلیتوں کا مسئلہ سماجی مقصد کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسی قومیں ہیں جن کی قومیت بکھیر دی گئی ہے سماجی عامل زندگی اور بقاء کا عامل ہے۔ یہ قوم

کی فطرت میں شامل جہد للبقاء ہے۔ انسانی دنیا میں قوم پرستی اور حیوانی دنیا میں گروہی جبلت اس طرح ہیں جس طرح سماوی کائنات میں قانون کشش ثقل ختم ہو جائے تو اس کی گیسیں بکھر جائیں اور اس کی یکجہتی ختم ہو جائے گی اس کی رو سے اس کی بقاء کی بنیاد یکجہتی ہے۔ کسی بھی گروہ میں اتحاد کا سماجی عنصر مثلاً جذبہ قومیت ہے۔ اسی وجہ سے ایک گروہ اپنی قومی یکجہتی کے لئے کوشش کرتا ہے کیونکہ اسی میں اس کی بقاء ہے۔

قومی عنصر جو سماجی بندھن ہے۔ وہ خود بخود قوم کو بقاء کی طرف دھکیلتا ہے اسی طرح جیسے کشش ثقل کسی چیز کے اجزاء کو اس کے مرکز سے جوڑے رکھنے کا عمل کرتی ہے۔ اٹیم بم میں ایٹمی ذرات کا پھیلنا اور بکھرنا مرکز میں اس دھماکے سے ہوتا ہے جس کے گرد کہ تمام ذرات جڑے ہوتے ہیں اور جب ان اجزاء کا اتحاد بکھرتا ہے اور ان کے اندر کشش باقی نہیں رہتی تو ہر ذرہ بکھر جاتا ہے۔ یہی مادے کی فطرت ہے۔ اور یہ مسلمہ قانون فطرت ہے۔ اس کی پرواہ نہ کرنا یا اس سے ٹکرانا زندگی کا زیاں ہے اس طرح انسان کی زندگی نقصان سے دوچار ہوتی ہے جب وہ جذبہ قومیت کی پرواہ نہیں کرتا جو کہ گروہ

کی کشش ثقل ہے اور اس کی بقاء کا راز ہے کسی گروہ کو متحد رکھنے میں سماجی عنصر کا مدمقابل مذہب کے علاوہ کوئی نہیں جو کسی گروہ کو تقسیم کردے یا مختلف قومیتوں کو متحد کردے۔ تاہم آخر کار سماجی عنصر کا بول بالا ہو گا اور یہی صدیوں سے ہوتا آیا ہے اصل میں ہر قوم کا ایک مذہب تھا جو ہم آہنگی پیدا کرتا تھا اس میں اختلافات پیدا ہو گئے جو تصادم اور عدم استحکام کا سبب ہے۔

پکا اصول تو یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک ہی مذہب ہونا چاہئے اگر ایسا نہیں تو یہ خلاف معمول بات ہے۔ اس قسم کی غیر معمولی صورت غیر صحت مند حالت کو پیدا کرتی ہے جس سے قومی گروہ میں طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اس کا اور کوئی حل نہیں اور فطری قانون کے ساتھ ہم آہنگی کے لئے ضروری ہے کہ ہر قوم کا ایک ہی مذہب ہو ۔ اور جب سماجی عنصر مذہی عنصر سے مطابقت رکھتا ہو تو قوم میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور گروہ کی زندگی مستحکم اور مضبوط ہوتی ہے اور صحت مند طور پر ترقی کرتی ہے

شادی ایک ایسا عمل ہے جس سے سماجی عنصر پر منفی اور مثبت دونوں اثرات ہوتے ہیں اگرچہ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے

کو قبول کرنے یا رد کرنے کی آزادی ہے کیونکہ آزادی ہی فطری قانون
ہے۔ایک گروہ کے اندر ہی شادی اپنی فطرت کے اعتبار سے اس کی
یکجہتی کو مضبوط بناتی ہے اور سماجی عنصر سے مطابقت رکھتے ہوتے
اجتماعی ترقی کا باعث بنتی ہے

☆========☆========☆
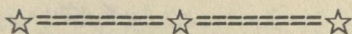
خاندان

خاندان ایک فرد کے لئے ریاست سے زیادہ اہم ہے بنی آدم آدمی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اور آدمی اپنے خاندان کو مانتا ہے کیونکہ خاندان ہی اس کا گھوارہ اس کی اصل ہے اور خاندان ہی سماج میں اس کی چھتری ہے جس کے سائے تلے وہ پرورش پاتا ہے

واقعہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان فرد اور خاندان سے تربیت پاتی ہے ریاست سے نہیں۔ ریاست تو ایک گھڑا ہوا اقتصادی اور سیاسی نظام بلکہ فوجی نظام ہے بنی نوع انسانی کا جس سے کوئی سروکار نہیں۔ خاندان نظام فطرت میں اس ایک پودے کی طرح ہے جو شاخوں پتوں اور پھولوں سے بنتا ہے۔۔ رہ گیا قدرتی ماحول کو کھیتوں اور باغوں وغیرہ میں بدلنا، تو یہ ایک مصنوعی کارروائی ہے جس کا اس پودے کی طبیعت سے کوئی تعلق نہیں جو متعدد شاخوں اور پتوں اور پھولوں سے بالکل ایک خاندان کی طرح بنا ہوتا ہے۔ لہٰذا سیاسی اور اقتصادی یا فوجی عوامل ایک ریاست میں خاندانوں کے جو مجموعے بناتے ہیں ان کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اسی طرح جو بھی وضع یا

صورت حال یا کارروائی خاندان کو منتشر کرے یا اس کی پراگندگی اور زوال کا سبب ہو تو وہ غیر انسانی اور غیر فطری وضع ہوگی بلکہ وہ جبرو ظلم کی حالت ہوگی اور وہ بالکل ایسا ہی عمل یا حالت یا کارروائی ہوگی جو پودے کو تلف کرنے یا اس کی شاخوں کو منتشر کرنے یا اس کے پھولوں اور پتوں کو ضائع کرنے یا مرجھا دینے کا سبب ہوگی۔

وہ معاشرے جن میں خاندان کا وجود اور اس کی وحدت کسی وجہ سے خطرہ میں ہو وہ پودوں کے اس کھیت کی طرح ہے جس کے پودوں کو ریلے میں بہہ جانے یا پیاسا رہنے یا جل جانے یا مرجھا جانے اور خشک ہو جانے کا خطرہ ہو۔ چمن یا پھلواری تو وہ ہے جس کے پودے قدرتی طور پر نشوونما پاتے پھلتے اور برقرار رہتے ہوں.. اور یہی حال انسانی معاشرہ کا ہے۔

پھولنے پھلنے اور پروان چڑھنے والا معاشرہ وہ ہے جس میں ایک فرد خاندان میں قدرتی طور پر نشوونما پائے اور خاندان اس معاشرہ میں پروان چڑھے اور ایک فرد انسانیت کے بڑے خاندان میں اس طرح برقرار رہے جیسے پتہ شاخ سے یا جیسے شاخ درخت سے وابستہ کر اگر وہ اس سے جدا ہو جائے تو بے معنی ہو جائے گا اور اس کی

مادی زندگی باقی نہیں رہے گی اور یہی صورت خاندان سے جدا ہونے
پر فرد کی ہوتی ہے۔ یعنی ایک فرد بغیر خاندان کے بے معنی ہو جاتا ہے
اور اس کی کوئی اجتماعی زندگی نہیں رہتی اور جب انسانی معاشرہ ایسے
مقام پر پہنچ جائے جہاں انسان بغیر خاندان کے موجود ہو تو اس وقت وہ
آوارہ گردوں کا معاشرہ جاتا ہے' اس کی مثال مصنوعی پودوں کی سی
ہے۔

قبیلہ

ایک ہی خاندان جب افزائش نسل سے پھیل جاتا ہے تو قبیلہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا قبیلہ ایک بڑا خاندان ہے۔ اور قوم ایک قبیلہ ہے جو افزائش نسل کے نتیجہ میں پھیل جاتی ہے۔ اس طرح قوم ایک بڑا قبیلہ ہے۔ اور دنیا کے باشندے ایک قوم ہیں جو کثرت آبادی کی وجہ سے مختلف اقوام میں بٹ گئے ہیں۔۔ پس ساری دنیا ایک ہی قوم ہے ــ وہی رشتہ جو خاندان کو ایک وحدت بناتا ہے وہی قبیلہ کو قوم کو اور وہی دنیا کو ایک رشتہ وحدت میں پرولیتا ہے۔ جیسے جیسے تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے یہ رشتہ ڈھیلا ہوتا جاتا ہے چنانچہ انسانیت ہی قومیت ہے اور قومیت ہی قبائلیت ہے اور قبائلیت ہی خاندانی بندھن ہے' البتہ ان مختلف دائروں میں باہمی الفت و محبت کی گرمجوشی جوں جوں چھوٹی سطح سے بڑی سطح کی طرف حرکت کرتی ہے بتدریج ٹھنڈی ہوتی جاتی ہے۔ یہ ایک اجتماعی حقیقت ہے جس کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جو اس سے ناواقف ہو۔

باہمی رشتے اور میل ملاپ نیز الفت اور محبت خاندانی سطح پر

قبیلہ کی سطح سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں... اور قبیلہ کی سطح پر قومی سطح
سے زیادہ مضبوط اور قومی سطح پر عالمی سطح سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں

جن مراعات 'فوائد اور اقدار کی بنیاد سماجی رشتوں پر ہوتی ہے
ان کا وجود وہاں زیادہ مضبوط ہوتا ہے جہاں سے رشتے فطری ہوتے ہیں
مثلاً خاندان کی سطح پر یہ قبائلی سطح سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں قبیلہ کی
سطح پر قومی سطح سے زیادہ قوی ہوتے ہیں اور قومی سطح پر عالمی سطح سے
زیادہ قوی ہوتے ہیں 'اور اسی طرح جوں جوں یہ اجتماعی بندھن اور
مفادات و مراعات 'اقدار و بلند مقاصد مفقود ہوتے جاتے ہیں خاندان
قبیلہ قوم اور انسانیت مفقود یا ناپید ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بناء بریں
انسانی معاشرہ کے لئے یہ بات نہایت درجہ اہم ہے کہ وہ اپنے خاندانی
قبائلی قومی اور بین الاقوامی وحدت یکجہتی کو برقرار رکھے۔ تاکہ وہ ان
منافع و مراعات 'اقدار و بلند مقاصد سے استفادہ کر سکے جو اس کی
خاندانی قبائلی قومی اور بین الاقوامی بندھن اور ارتباط و وحدت اور
محبت و الفت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

چنانچہ جہاں تک باہمی الفت 'محبت اور یک جہتی کا تعلق ہے
عائلی معاشرت قبائلی سے اور قبائلی قومی سے اور قومی عالمی سے بہتر

ہیں۔

قبیلہ کے فوائد

چونکہ قبیلہ ایک بڑا خاندان ہے لہٰذا وہ اپنے افراد کے لئے بھی اسی طرح کے مادی فوائد اور اجتماعی مراعات مہیا کرتا ہے جیسے خاندان اپنے افراد کے لئے مہیا کرتے ہیں.. قبیلہ دوسرے درجہ پر ایک خاندان ہے.. یہاں جس بات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ایک فرد کبھی کوئی معیوب رویہ اختیار کرلیتا ہے جسے وہ خاندان کے سامنے اختیار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا لیکن خاندان کا حلقہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے اسے اس کی نگرانی کا احساس نہیں ہوتا' برخلاف قبیلہ کے کہ اس کے افراد یہ خیال نہیں کر سکتے کہ وہ اس کی نگرانی سے آزاد رہ سکتے ہیں ان وجوہ کی بناء پر قبیلہ اپنے افراد کے کردار کا سانچہ بناتا ہے جو اجتماعی تربیت کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور وہ کسی بھی مدرسہ کی تربیت کے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور فطرت انسانی کے زیادہ قریب ہوتی ہے قبیلہ ایک اجتماعی مدرسہ ہوتا ہے جس کے افراد لڑکپن سے بلند مقاصد اور آدرشوں کی فضا میں پروان چڑھتے ہیں جو کردار کا ایک ایسا سانچہ بناتا ہے جو انسان بڑے ہونے کے ساتھ

پختہ تر ہوتا چلا جاتا ہے برخلاف اس تربیت اور ان علوم کے جو سرکاری طور پر مقررہ اسلوب کے مطابق دماغ میں ڈالے جاتے ہیں اور جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ بے اثر ہوتے جاتے ہیں اس لئے کہ وہ رسمی ہوتے ہیں ' اور اس لئے کہ وہ امتحانات اور آزمائشوں کے ذریعہ سکھلائے جاتے ہیں 'اور ایک فرد کے ذھن میں یہ شعور ہوتا ہے کہ وہ سکھائے پڑھائے ہوئے ہیں۔

قبیلہ سماجی تحفظ کے لئے ایک قدرتی اجتماعی چھت ہے جو سماجی روایات کے مطابق اپنے افراد کے لئے اجتماعی ریت 'اجتماعی تاوان ' اجتماعی خوں بہا اور اجتماعی دفاع یعنی اجتماعی حفاظت و حمایت فراہم کرتا ہے۔

قبیلہ کی تشکیل میں بنیادی عنصر تو خونی رشتہ ہی ہوتا ہے لیکن اس کا دارومدار صرف اسی پر نہیں ہوتا 'الحاق و انتساب بھی قبیلہ کی تشکیل میں کار فرما ہوتے ہیں۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خونی رشتوں کے عوامل اور انتسابی والحاقی عوامل کے مابین جو فرق ہوتا ہے وہ ناپید ہو جاتا ہے اور قبیلہ ایک سماجی اکائی اور مادی وحدت کی مشکل میں باقی رہ جاتا ہے 'تاہم خونی رشتے اور اصل کا عنصر باقی عناصر پر ہر حال میں غالب رہتا ہے۔

قوم

قوم فرد کے لئے ایک سیاسی اور قومی پناہ گاہ ہے اور وہ اس سماجی پناہ گاہ سے زیادہ وسیع ہے جو قبیلہ اپنے افراد کو مہیا کرتا ہے۔ قبیلہ پرستی قومیت کو نقصان پہنچاتی ہے، قبائلی وفاداری قومی وفاداری کی قیمت پر ہی پروان چڑھتی ہے۔ جس طرح خاندانی وفاداری قبائلی مفادات کو کمزور کر کے نشو ونما پاتی ہے۔ اور قومی تعصب جتنا کسی قوم کے وجود کے لئے ضروری ہے وہ انسانیت کے حق میں اتنا ہی خطرناک ہے۔

بین الاقوامی معاشرہ میں ایک قوم کی مثال ایسی ہے جیسے کسی قبیلہ میں ایک خاندان، اور ایک قبیلہ کے مختلف خاندانوں میں جس قدر لڑائیاں ہونگی اور جتنا ان میں خاندانی تعصب ہو گا اسی انداز سے قبیلہ کو خطرات کا سامنا ہو گا۔ بالکل ایسے جیسے ایک خاندان کے افراد باھمدگر لڑنے لگیں اور ہر شخص اپنی ذات یا اپنے مفاد کے لئے تعصب برتنے لگے تو خاندان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی قوم کے قبائل باھمدگر لڑنے لگیں اور ہر قبیلہ اپنے حق میں تشددو

تعصب سے کام لے تو وہ قوم خطرات سے دوچار ہو جائے گی' قومی تعصب اور کمزور اقوام کے خلاف طاقتور قوموں کا قوت کا استعمال یا کسی قوم کی ایسی ترقی جو دوسری قوموں کی لوٹ کھسوٹ کا نتیجہ ہو انسانیت کے لئے نہایت درجہ تباہ کن اور ضرر رساں ہے۔ تاہم ایک طاقتور فرد' جو اپنی ذات کا احترام کرے اور جس کو اپنی انفرادی ذمہ داریوں کا شعور ہو وہ اپنے خاندان کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے۔ اور ایک محترم و طاقتور خاندان جو اپنی اہمیت سے باخبر ہو اجتماعی اور مادی طور پر قبیلہ کے لئے اور پورے عالم کے لئے فائدہ مند ہے۔ جب ایک سیاسی قومی وجود نچلی اجتماعی سطح پر۔ یعنی خاندانی اور قبائلی سطح پر اترتا ہے تو اس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ باہمی اثر اندازی کی وجہ سے انہی کے طرز عمل اور طرز فکر کو اپنا لیتا ہے۔

چونکہ قوم ایک بڑا خاندان ہوتی ہے اور وہ اس مقام تک قبیلہ بننے اور اس ایک جڑ سے متعدد قبائل کی شاخیں پھوٹنے کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد وجود میں آئی ہے۔ اس میں وہ ارکان بھی شامل ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو اس کے مفادات اور مستقبل سے وابستہ کر لیتے ہیں اور ایک خاندان قوم نہیں بنتا جب تک کہ وہ قبیلہ اور اس

کے شاخ در شاخ ہونے کے مراحل نیز مختلف آمیزشوں کے نتیجہ میں انتسابی مراحل سے نہ گزرے۔ اور یہ قطعی اجتماعی صورت ایک خاص طویل مدت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ بایں ہمہ مرور زمانہ جس طرح نئی نئی اقوام کو وجود بخشتا ہے قدیم اقوام کو پارہ پارہ بھی کرتا ہے تاہم مشترکہ اصل اور مشترکہ تقدیر دونوں کسی قوم کی تاریخی بنیادیں ہیں۔ ان میں اصلیت پہلے نمبر پر ہے۔ اور قرابتی میل ملاپ کو دوسرا درجہ حاصل ہے اس کے باوجود جب قوم کی تعریف کی جاتی ہے تو اس میں محض اصلیت کو مدنظر نہیں رکھا جاتا کیونکہ قوم کی تشکیل ایک تاریخی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے جو ایک گروہ انسانی کے ایک خاص علاقے میں متواتر بسنے، مشترکہ تاریخ اور مشترکہ لوگ ورثہ اور مشترکہ تقدیر سے معمور ہوتا ہے۔ آخری تجزیے میں قوم خونی رشتوں سے قطع نظر ایک احساس نسبت اور اشتراک مقدر کا نام ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ زمین کے نقشہ پر بڑی بڑی ریاستیں ظہور میں آئیں پھر غائب ہو گئیں اور دوسری ریاستیں ابھریں اور ان کا بھی وہی انجام ہوا؟ کیا اس کا سبب صرف سیاسی ہے اور اس کا کوئی تعلق تیسرے عالمی نظریہ کے سماجی پہلو سے نہیں ہے۔ یا اس کا سبب اجتماعی

ہے اور خاص طور پر سبز کتاب کے اس حصہ سے متعلق ہے؟ آیئے ہم دیکھیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ خاندان ایک سماجی وجود ہے سیاسی نہیں.. اسی طرح قبیلہ بھی کہ وہ ایک خاندان ہی ہے جو نسلی افزائش سے بڑھ کر مختلف خاندانوں میں تبدیل ہو گیا.. قوم ایک قبیلہ ہے جو بڑا ہو کر مختلف شاخوں اور جڑوں میں بٹ کر گروہوں اور قبائل میں تبدیل ہو گیا۔

قوم ایک اجتماعی وجود ہے جو رشتہ قومیت پر استوار ہے اور قبیلہ ایک اجتماعی وجود ہے جو رشتہ قبائلیت پر استوار ہے۔ اور خاندان ایک اجتماعی وجود ہے جس کا رابطہ خاندانیت ہے اور اقوام عالم ایک اجتماعی وجود ہیں جن کا رابطہ انسانیت ہے۔ یہ مسقات ہیں۔ پھر ریاستوں کا سیاسی وجود ہوتا ہے جو ریاست بناتا ہے اور عالمی سیاسی نقشہ تشکیل کرتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ یہ عالمی نقشہ مختلف زمانوں میں بدلتا رہتا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ضروری نہیں سیاسی اور سماجی وجود سے مطابقت رکھتا ہو۔ اگر سیاسی اور سماجی وجود ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہوں تو پھر یہ مستقل طور پر قائم رہتا ہے اور تبدیل نہیں ہوتا، اگر یہ تبدیلی بیرونی استعمار یا داخلی انحطاط کی وجہ

سے ہوتی ہے تو وہ قومی جدوجہد یا قومی احیاء اور قومی وحدت کی
صورت میں پلٹ کر دوبارہ ابھر آتا ہے۔ لیکن جب اس کے سیاسی
وجود میں ایک قوم سے زیادہ قومیں داخل ہو جاتی ہیں تو اس کا نقشہ ہر
قوم کی اپنی خود مختاری کے حصول کی جدوجہد کے باعث جدا گانہ
قومیت کے نعرہ کے تحت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ دنیا میں رونما
ہونے والی سامراجی مملکتوں کے نقشوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا
بھی سبب ہے کہ ان میں کئی اقوام یکجا ہو گئی تھیں اور جلد ہی ہر قوم
اپنے قومی جذبہ کو لے کر اٹھی اور اپنی خود مختاری کا مطالبہ کرنے لگی
چنانچہ سیاسی سامراجی مملکت اپنے ترکیبی عناصر کو متحد نہ رکھ سکنے کی
وجہ سے پارہ پارہ ہو گئی، کیونکہ یہ مختلف عناصر اپنی اصل کی طرف
واپس جانا چاہتے تھے اگر ہم تاریخ عالم کے ادوار میں سے ہر دور کا بغور
مطالعہ کریں تو اس کا واضح ثبوت مل جائے گا۔

پھر آخر کیا اسباب تھے کہ یہ سامراجی مملکتیں مختلف اقوام سے
مل کر وجود پذیر ہوئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ریاست کی تشکیل
خاندان قبیلہ اور قوم کی طرح صرف ایک سماجی ڈھانچہ نہیں ہوتی۔
ریاست ایک سیاسی وجود ہوتی ہے جسے مختلف عوامل بناتے ہیں ان

میں سادہ ترین اور اولین محرک قومیت ہے۔ قومی ریاست ہی تنہا وہ سیاسی شکل ہے جو اس قدرتی ڈھانچہ سے ہم آہنگ ہوتی ہے جو سماجی روابط سے وجود میں آتا ہے اور یہی وہ شکل ہے جو اس وقت تک ہمیشہ باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ کسی دوسری قومیت کے ظلم و جارحیت کا شکار نہ ہو جائے جو اس سے زیادہ طاقتور ہو یا ریاست و مملکت کی حیثیت سے اس کا سیاسی وجود قبائل برادریوں اور خاندانوں کے اجتماعی وجود سے اثر پذیر نہ ہو جائے' اگر سیاسی وجود اجتماعی خاندانی قبائلی اور فرقہ وارانہ وجود کے تابع ہو اور اس کے نظریات و خصوصیات اپنا لے تو اسے نقصان پہنچے گا۔

دینی اقتصادی اور فوجی عوامل بھی ایک مملکت کی تشکیل میں معاون ہوتے ہیں مگر یہ مملکت قومی مملکت سے مختلف ہوتی ہے۔

کبھی ایک دین متعدد قومیتوں پر مشتمل ایک ریاست بن جاتا ہے.. اسی طرح اقتصادی ضرورت بھی.. اور اسی طرح فوجی قوت سے مفتوحہ علاقے بھی.. الغرض زمانہ کے کسی دور میں وہ ریاست یا سامراجی مملکت ظہور پذیر ہو جاتی ہے اور دوسرے دور میں وہ غائب ہو جاتی ہے.. اور جب قومیت کا جذبہ دینی روح سے زیادہ طاقتور شکل

میں ابھرتا ہے اور ان مختلف قومیتوں میں، جنہیں ایک دین متحد کئے ہوتا تھا، سخت آویزش ہونے لگتی ہے، تو ہر قوم خود مختار بنتے ہوئے اپنے اجتماعی وجود کی طرف رجوع کرتی ہے اور وہ ریاست غائب ہو جاتی ہے.. پھر جب جب دینی روح قومی روح سے زیادہ قوی ہو کر نمودار ہوتی ہے تو دوبارہ دینی دور آجاتا ہے اور ایک دین کے جھنڈے تلے جملہ مختلف قومیتیں متحد ہو جاتی ہیں.. تاآنکہ قومی دور دوبارہ آجاتا ہے وعلیٰ ہذالقیاس۔

الغرض دینی یا اقتصادی یا فوجی یا وضعی عقائد کے سبب مختلف قومیتوں سے تشکیل پانے والی ریاستوں کو قومی جنگ ٹکڑے ٹکڑے کردیگی تا آنکہ ہر قومیت خود مختاری حاصل کرلے۔ یعنی سماجی عامل حتماً سیاسی عامل پر غالب ہو گا۔

اور اس طرح باوجود ان سیاسی تقاضوں کے جو ریاست کے قیام کو ناگزیر قرار دیتے ہیں یہ بات اپنی جگہ ہے کہ افراد کی زندگی کی بنیاد خاندان پھر قبیلہ پھر قوم اور بعد ازاں انسانیت ہے۔ اور بنیادی عامل سماجی عامل ہے اور وہی دائم و مستقل ہے یعنی قومیت۔ بنا بریں پوری توجہ اجتماعی حقیقت اور خاندان کی دیکھ بھال پر کرنا ضروری ہے تاکہ

ایک اچھی تربیت یافتہ شخصیت ظہور پذیر ہو بعد ازاں قبیلہ پر توجہ دینا
چاہئے کہ وہ اجتماعی پناہ گاہ اور قدرتی اجتماعی درس گاہ ہے جو خاندان
سے بالا تر حیثیت میں انسان کو اجتماعی تربیت دیتا ہے ' پھر قوم پر ' اس
لئے کہ فرد اجتماعی اقدار کی قیمت خاندان اور قبیلہ کی وساطت سے ہی
معلوم کرتا ہے یہ دونوں ایسے قدرتی اجتماعی وجود ہیں جس کے بنانے
میں کسی کا دخل نہیں ہے ' خاندان پر توجہ فرد کی خاطر اور قبیلہ پر
خاندان کی خاطر فرد کی خاطر اور قوم کی خاطر یعنی قومیت کی خاطر ' لہٰذا
اجتماعی عامل ہی تاریخ (یعنی قومی عامل) کے لئے حقیقی اور دائمی محرک
ہے۔

انسانی گروہوں کے لئے قومی روابط کی اہمیت کو نظر انداز کر کے
ایسا سیاسی نظام بنانا جو اجتماعی وجود سے متعارض ہو وہ عارضی وجود ہو گا
جو ان گروہوں کے اجتماعی عامل کی تحریک یعنی ہر قوم کی اپنی قومیت کی
تحریک سے منہدم ہو جائے گا۔

یہ وہ حقائق ہیں جو انسان کے وجود کا حصہ ہیں یعنی یہ اس کے
ساتھ ہی پیدا ہوئی ہیں بعد میں گھڑی ہوئی نہیں ہیں۔ دنیا کے ہر فرد
کے لئے ان کا شعور ضروری ہے اور جب وہ عمل کرے تو یہ اس کے

ذہن نشین ہوں تاکہ اس کا عمل درست اور مناسب ہو۔ یعنی ان مستقل حقائق کا علم ضروری ہے تاکہ انسانی گروہوں کی زندگی میں ان انسانی اصولوں کو نہ سمجھنے اور انہیں پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے بگاڑ ابتری اور خلل واقع نہ ہو۔

عورت

اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ عورت اور مرد دونوں
برابر کے انسان ہیں اور اس رشتے سے دونوں برابر ہیں۔ لہٰذا دونوں
میں فرق روا رکھنا سراسر زیادتی اور ظلم ہیں اس کا کوئی جواز نہیں
عورت اسی طرح کھاتی اور پیتی ہے جیسے مرد کھاتا اور پیتا ہے .. اور
عورت بھی اسی طرح نفرت اور محبت کا اظہار کرتی ہی جیسے مرد ...
عورت بھی اسی طرح سوچتی سیکھتی اور سمجھتی ہے جیسے کہ مرد سوچتا
سیکھتا اور سمجھتا ہے .. عورت بھی گھر لباس اور سواری کی اسی طرح
ضرورت محسوس کرتی ہے جیسے مرد ان چیزوں کی ضرورت محسوس کرتا
ہے .. عورت اسی طرح بھوک پیاس محسوس کرتی ہے جیسے مرد ..
عورت بھی اسی طرح جیتی اور مرتی ہے جیسے مرد جیتا اور مرتا ہے۔

پھر آخر مرد کیوں ؟ اور عورت کیوں ؟.. بات یہ ہے کہ انسانی
معاشرہ نہ صرف مردوں سے بنتا ہے اور نہ صرف عورتوں سے ' وہ
مردوں اور عورتوں کا مجموعہ ہے .. یعنی قدرتی طور پر مرد اور عورت ..
ایسا کیوں نہ ہوا کہ صرف مرد ہی پیدا کئے جاتے .. اور ایسا کیوں نہیں

ہے کہ صرف عورتیں پیدا کی جاتیں.. پھر آخر مردوں اور عورتوں یعنی مردوں عورت کے درمیان فرق کیا ہے .. اور آخر کیا وجہ ہے کہ فطرت مرد و عورت دونوں کی تخلیق کی حاجت مند ہے .. مرد اور عورت دونوں کا وجود' نہ صرف مرد کا اور نہ صرف عورت کا' بلاشبہ یہاں فطری طور پر مرد و عورت کے وجود کی ضرورت ہو گی اور صرف عورت کی نہیں ہو گی.. اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرا نہیں ہے.. لہٰذا مرد اور عورت کے درمیان قدرتی فرق ہے جس کا ثبوت پیدائشی طور پر مرد و عورت کا وجود ہے.. اور طبعاً اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اپنا ایک جدا گانہ کردار ہے جو ایک دوسرے کے کردار سے اتنا ہی مختلف ہے جتنا یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک کے زندگی گزارنے کے لئے ایسی حالت ناگزیر ہے جس میں وہ اپنا دوسرے سے جدا گانہ کردار ادا کرے اور جو خود اس قدرتی کردار کے اختلاف کی وجہ سے دوسرے کی حالت سے مختلف ہو' اور اس کردار کا علم حاصل کرنے کے لئے.. ہمیں مرد و عورت کی ساخت کے قدرتی اختلاف کو جاننا چاہئے.. یعنی ان دونوں کے درمیان کون سے طبعی

فرق ہیں:

عورت مادہ ہے اور مرد نر ہے۔۔ اور اس اعتبار سے زنانہ امراض کا ڈاکٹر کہتا ہے: "عورت کو حیض آتا ہے اور ہر ماہ وہ بیمار ہوتی ہے اور مرد کو نر ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا اور وہ حسب معمول ماہانہ بیمار نہیں ہوتا' اور یہ ماہواری بیماری خون نکالتی ہے۔۔ یعنی عورت مادہ ہونے کی وجہ سے ہر ماہ خون خارج کرنے والے مرض میں مبتلا ہوتی ہے اور عورت کو اگر حیض نہ آئے تو وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔۔ اور جب وہ حاملہ ہوتی ہے تو حمل کے طبعی تقاضے کی وجہ سے وہ تقریباً سال بھر بیمار رہتی ہے۔

یعنی وضع حمل تک اس کی طبعی سرگرمی مفلوج ہو جاتی ہے اور وضع حمل یا اسقاط حمل پر اسے زچگی کا مرض ہوتا ہے' اور یہ بیماری وضع حمل یا اسقاط حمل کے ہر عمل پر لاحق ہوتی ہے' اور مرد کو حمل نہیں ہوتا نتیجہ وہ طبعی طور پر ان امراض میں مبتلا نہیں ہوتا جن میں عورت مادہ ہونے کی وجہ سے مبتلا ہوتی ہے' اور بعد ازاں عورت اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے۔۔ اور قدرتی طور پر دودھ پلانے کی مدت تقریباً دو سال ہے۔۔ اور فطری رضاعت کا تقاضا ہے کہ عورت اور اس

کا بچہ ساتھ ساتھ رہیں' اس وجہ سے اسکی سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا
ہو جاتی ہے اور وہ براہ راست ایک دوسرے وجود کی ذمہ داری سنبھال
لیتی ہے اور زندگی سے متعلق اس کے جملہ کاموں میں وہ اس کی مددگار
ہوتی ہے اور اس کے بغیر وہ مرجائے گا' لیکن مرد کو نہ حمل ہوتا ہے نہ
وہ دودھ پلاتا ہے۔ ڈاکٹر کا بیان یہاں ختم ہوا۔

یہ فطری طور پر ودیعت کی ہوئی صلاحیتوں کا پیدائشی فرق ہے
اور ان میں مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے برابر ہونا ناممکن ہے۔۔
یہ بذات خود ایک حقیقت ہے جو نر و مادہ یعنی مرد اور عورت کی
موجودگی کو ضروری قرار دیتی ہے نیز یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا
زندگی میں ایک کردار یا کام ہے جو دوسرے سے مختلف ہے۔۔ اور یہ
قطعاً ناممکن ہے کہ ان میں نر مادہ کی جگہ لے سکے۔ یعنی یہ ممکن نہیں
کہ ان فطری وظائف کو عورت کے بجائے مرد انجام دے سکے۔۔ یہ
بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ حیاتیاتی کام عورت پر گراں بار ہیں
جنہیں وہ بڑی مشقت اور تکلیف کے ساتھ جھیلتی ہے' یہ آسان کام
نہیں ہیں۔ اگر عورت یہ کام انجام نہ دے تو انسانی زندگی ختم ہو جائے
گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام قدرت کی طرف سے اسے سونپا گیا ہے'

اس میں نہ اس کی مرضی کو دخل ہے نہ اس پر جبر ہے' مزید بر آں یہ ایک ضروری عمل ہے اور اس کا متبادل کوئی راستہ ہے تو صرف یہ کہ انسانی زندگی اور توالدو تناسل کا سلسلہ یکسر ختم ہو جائے۔

حمل کے خلاف قصداً مداخلت بھی ہوتی ہے۔ لیکن وہ انسانی زندگی کی متبادل ہے' حمل کے خلاف جزوی طور پر ارادی مداخلت بھی ہوتی ہے۔۔ دودھ پلانے کے خلاف بھی مداخلت ہوتی ہے لیکن یہ قدرتی زندگی کے خلاف کارروائی کی کڑیوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں سرفہرست قتل ہے۔۔ یعنی عورت کا خود کو مار ڈالنا کہ نہ حمل ٹھہرے نہ بچہ جنے نہ دودھ پلائے یہ صورت بھی طبعی زندگی کے خلاف ان بقیہ مصنوعی مداخلتوں سے علیحدہ نہیں ہے جو حمل و رضاعت و امومت اور ازدواجی زندگی میں جاری ہیں' یہ ضرور ہے کہ ان کے درجات مختلف ہیں۔

عورت کے ماں بننے کے فطری کردار سے بے نیازی برتنا یعنی بچوں کی پرورش گاہوں کو ماں کی جگہ دینا۔ انسانی معاشرہ سے استغنا کا آغاز اور اسے حیاتیاتی معاشرہ اور مصنوعی زندگی کی طرف لے جانے کا عمل ہے۔ بچوں کو ان کی ماؤں سے دور کر کے انہیں پرورش گاہوں

میں جمع کر دینا بالکل اس تبدیلی کی طرح ہے جو مرغیوں کے چوزوں سے مشابہ ہے جہاں پرورش گاہوں کی تشکیل ان مرغی خانوں کی طرح ہوتی ہے' جہاں چوزوں کو انڈوں سے نکلنے کے بعد جمع کر دیا جاتا ہے.. انسان کے بچوں کے لئے یہ صورت درست نہیں.

ان کی فطرت سے ہم آہنگ اور ان کی عزت و احترام کے شایان شان صرف یہ ہے کہ وہ ماؤں کی گود میں قدرتی طور پر پرورش پائیں "یعنی بچہ کی تربیت اس کی ماں کرے"... اور وہ ایک خاندان میں پروان چڑھے جس میں ماں کی محبت باپ کی شفقت اور برادرانہ عنایت کا ماحول ہو۔ نہ کہ پالتو جانوروں کی پرورش گاہ کی طرز کی کوئی تربیت گاہ.. خود پالتو جانوروں کو بھی بقیہ تمام عالم حیوانات کے بچوں کی طرح قدرتی طریقہ کے مطابق ماتا کا ماحول درکار ہوتا ہے۔ لہٰذا تربیت گاہوں کی طرز کے مرکزوں میں ان کی تربیت یعنی نشو و نما کے خلاف ہے.. خود ایسے جانوروں کا گوشت بھی قدرتی گوشت کی بہ نسبت مصنوعی گوشت کے زیادہ قریب ہوتا ہے.. پرورش گاہوں کے پرندوں کا گوشت لذیذ و خوشگوار نہیں ہوتا اور ممکن ہے کہ وہ مفید بھی نہ ہو' اس لئے کہ ان پرورش گاہوں میں پرندوں کی قدرتی طور پر

پرورش نہیں ہوتی.. یعنی قدرتی مامتا کے زیر سایہ نہیں پلتے' جنگلی پرندے زیادہ لذیز و مفید ہوتے ہیں کیونکہ وہ قدرتی طور پر مادرانہ تربیت میں پروان چڑھے ہوتے ہیں' اور قدرتی غذائیں کھاتے ہیں۔

اب رہے وہ لوگ جن کا نہ کوئی خاندان ہے نہ ٹھکانا تو ان کا نگران معاشرہ ہے' اور صرف اسی قسم کے لوگوں کے لئے معاشرہ پرورش گاہوں کی قسم کے ادارے بنائے گا' ایسے لوگوں کی دیکھ بھال معاشرہ کرے تو ان لوگوں کی دیکھ بھال کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہوگی جن کے والدین نہیں ہیں۔

اگر یہ معلوم کرنے کے لئے آزمائش کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے کہ بچے کا فطری رجحان اس کی ماں کی طرف ہے یا پرورش گاہ کی طرف تو یقیناً بچہ اپنی ماں کی طرف جائے گا نہ پرورش گاہ کی طرف.. اور چونکہ بچہ کا قدرتی رجحان اس کی ماں کی طرف ہوتا ہے لہٰذا قدرتی اور صحیح پرورش کا مرکز ماں کا دامن ہوتا ہے' اور ماں کے بجائے تربیت گاہ کی طرف بچہ کو لئے جانا اس کے فطری آزادانہ رجحان کے خلاف ایک ظلم وجبر ہے۔

چیزوں کی قدرتی نشوونما یہ ہے کہ وہ بحفاظت آزدانہ پرورش

پائیں۔ پرورش گاہ کو ماں بنا دینا محفوظ نشوونما کی آزادی کے خلاف جبری کارروائی ہے۔ وہ بچے جنھیں پرورش گاہوں میں بھرتی کیا جاتا ہے وہ کشاں کشاں لے جائے جاتے ہیں۔۔ یا بچگانہ بھول پن اور غفلت شعاری کی وجہ سے انہیں ان پرورش گاہوں میں محض مادی اسباب کی وجہ سے لے جایا جاتا ہے اور سماجی اسباب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا' اور اگر ان سے بچگانہ بھول پن اور جبری وسائل دور کر دیئے جائیں تو وہ پرورش گاہ کو چھوڑ کر اپنی ماؤں سے جا ملیں' اس غیر فطری اور غیر انسانی کارروائی کا کوئی جواز اس کے سوا نہیں کہ عورت اس حالت میں نہیں جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہو۔ یعنی وہ غیر سماجی فرائض انجام دینے پر مجبور ہے جن سے اس کے جذبہ امومت کی تسکین بھی نہیں ہوتی۔

ضروری ہے کہ عورت کی حالت اس کی اپنی فطرت کے بموجب ہو جس کی بنا پر قدرت نے اسے مرد سے جداگانہ وظائف سونپے ہیں مرد کی حالت سے جداگانہ ہو تاکہ وہ اپنا فطری کردار ادا کر سکے۔

امومت مادہ کا کام ہے نر کا نہیں لہٰذا یہ قدرتی امر ہے کہ بچوں

کو ماں سے جدا نہ کیا جائے ' اور ماں سے بچوں کو جدا کرنے کی کارروائی ظلم و قہرو استبداد ہے۔ اور جو ماں اپنے بچوں کی امومت کی طرف سے پہلوتہی کرتی ہے وہ زندگی میں اپنا فطری فریضہ ادا کرنے سے گریز کرتی ہے ' لہٰذا ضروری ہے کہ اسے اس کے پورے حقوق دیئے جائیں اور اس کے لئے ایسے مناسب حالات فراہم کئے جائیں جن میں ظلم و جبر کا کوئی شائبہ نہ ہو اور جن کی بنا پر عورت طبعی حالات میں اپنے قدرتی وظائف انجام دے سکے۔ کوئی اور حالت تناقض و تضاد سے خالی نہیں ہو سکتی۔ جب عورت مجبوراً اپنے قدرتی وظائف زچگی اور امومت سے پہلوتہی کرے تو اس پر ظلم و استبداد کار فرما ہو گا۔ وہ عورت جو ایسے کام کی محتاج یا اس پر مجبور ہو جس سے وہ اپنا قدرتی فرض منصبی ادا کرنے کے قابل نہ رہے وہ آزادی سے محروم ہے۔ وہ ضرورت کے جبر کی وجہ سے اس کام پر مجبور ہوئی ہے ' اس لئے کہ احتیاج آزادی کے منافی ہے۔

عورت کے لئے مناسب حالات جو اس کے قدرتی وظائف منصبی ادا کرنے کے لئے ضروری بھی ہوں اور جو مرد سے مختلف ہوں وہی حالات ہیں جو ایک ایسے مریض کے لئے مناسب ہوں جو حمل کی

بیماری سے گرانبار ہو۔ یعنی اپنے پیٹ میں ایک دوسرے انسان کا بار (حمل) جو اس کی جسمانی صلاحیت کو صلب کرلے۔ یہ ظلم ہوگا کہ عورت جس کا امومت کے کسی مرحلہ میں یہ حال ہو اس سے ایسا جسمانی کام لیا جائے جو اس کی حالت سے ہم آہنگ نہ ہو۔

عورت کے لئے ایسا کام اس کے لئے ایک سزا ہے جو وہ اپنے فرائض نسوانیت اور امومت ادا نہ کرنے کے باعث بھگتی ہے۔ اسی طرح اسے ایک قسم کا ٹیکس بھی کہا جا سکتا ہے جو عورت مردوں میں شامل ہونے کے لئے ادا کرتی ہے جو قدرتی طور پر اس کے ہم جنس نہیں ہیں

یہ اعتقاد -- اور اس میں عورت کا اپنا اعتقاد بھی شامل ہے۔ کہ عورت محض اپنی قوت ارادی سے جسمانی کام انجام دے سکتی ہے حقیقت حال کے اعتبار سے درست نہیں، اس لئے کہ وہ اس کام کو صرف اس لئے انجام دیتی ہے کہ سنگدل مادی معاشرہ نے براہ راست اس کی لاعلمی میں اسے ایسے بے رحم حالات کے سپرد کر دیا ہے جن میں اس کو معاشرہ کے حالات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے، اور وہ سمجھتی ہے کہ وہ آزادی سے عمل کر

رہی ہے۔ وہ اس قاعدہ کی رو سے آزاد نہیں ہوتی جو کہتا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان ہر چیز میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہاں "ہر چیز" کا اضافہ عورت کے ساتھ بڑا فریب ہے، یہی الفاظ ان موزوں اور ضروری حالات کو خراب کر دیتے ہیں جن میں مرد سے ہٹ کر، صرف عورت کے لئے اپنے مخصوص حقوق سے فائدہ اٹھانا اس کے لئے اپنی اس فطرت کے مطابق ازبس ضروری ہے جو زندگی میں اسے اپنے قدرتی فرائض کی انجام دہی کے لئے ودیعت کئے گئے ہیں۔

عورت اور مرد کے درمیان بوجھ اٹھانے میں برابری کا مطالبہ کرنا جبکہ عورت حاملہ ہو ظلم اور سنگدلی ہے۔۔ ان دونوں کے درمیان سخت مشقت کے کام اور روزہ رکھنے میں مساوات جبکہ وہ (بچہ کو) دودھ پلا رہی ہو ایک شدید ناانصافی ہے۔۔ اس کے حسن کو بدنما کرنے۔۔ اور اس کی نسوانیت سے اس کو متنفر کرنے کے لئے اس سے کوئی مکروہ اور گندہ کام لینا یوں مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنا ظلم و سنگدلی ہے، اسے ایسا کورس پڑھانا جس کے مطابق اسے ایسا عمل انجام دینا پڑے جو اس کی فطرت سے ہم آہنگ نہ ہو یہ بھی ظلم اور

سنگدلی ہے بے شک عورت اور مرد کے درمیان جہاں تک انسان
ہونے کا تعلق ہے کوئی فرق نہیں ہے' ان میں سے کسی ایک کے لئے
یہ جائز نہیں کہ دوسرے سے اس کی مرضی کے بغیر شادی کرے' یا
اس کی تائیدٰ میں مقدمہ کے منصفانہ فیصلہ کے بغیر یا بغیر مقدمہ مرد و
عورت کے متفقہ ارادوں کے بغیر طلاق دے.. یا اتفاق ہوئے بغیر
عورت شادی کرے یا بغیر اتفاق کے مرد شادی کرے۔ عورت
گھر کی مالکہ ہے' اس لئے کہ گھر ان مناسب حالات میں سے ایک ہے
جو اس عورت کے لئے ضروری ہیں جو حاملہ ہوتی ہے بیمار ہوتی ہے'
بچہ جنتی ہے اور امومت کے فرائض انجام دیتی ہے۔ عورت
امومت کے مرکزی ماحول یعنی گھر کی مالکہ ہے' حتی کہ انسان کے سوا
دیگر عالم حیوانات میں بھی' اور اپنی فطرت کے مطابق امومت مادہ کا
فریضہ ہے' لہٰذا بچوں کو ماں سے محروم کرنا یا عورت کو اس کے گھر
سے محروم کرنا جبرو ظلم ہے۔

عورت مادہ کے سوا کچھ نہیں.. اور مادہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرد
سے جو نیر ہے حیاتیاتی طبیعت میں اختلاف رکھتی ہے.. اور مادہ کی نر
سے مختلف حیاتیاتی فطرت نے ہی عورت کو شکل اور جوہر میں مرد سے

مختلف صفات دی ہیں' چنانچہ عورت کی شکل مرد کی شکل سے مختلف ہے اس لئے کہ وہ مادہ ہے .. اور یہی صورت نباتات و حیوانات کی جاندار مخلوقات میں سے ہر مادہ کی ہے .. جو اپنی شکل اور اپنے جوہر کے لحاظ سے اپنے نر سے مختلف ہوتی ہے - یہ ایک قدرتی حقیقت ہے جس میں کسی بحث و اختلاف کی گنجائش نہیں - عالم حیوانات و نباتات میں نر کو طبعی طور پر مضبوط اور سخت پیدا کیا گیا ہے - اور نباتات و حیوانات اور انسانوں میں مادہ طبعی طور پر حسین اور نرم و نازک بنائی گئی ہے' یہ حقائق اور زندہ مخلوقات کی طبعی اور ازلی خصوصیات ہیں جنھیں انسان یا حیوانات یا نباتات کہا جاتا ہے۔

اپنی اسی مختلف ساخت کی بناء پر .. اور قدرت کے قوانین کے مطابق نر بغیر کسی مجبوری کے ایسے کاموں پر مامور ہے جن میں طاقت اور سخت کوشی کی ضروت ہو .. اس لئے کہ اس کی ساخت کا یہی تقاضا ہے' اور مادہ بغیر اپنی مرضی کے ایسے کام کرتی ہے جن میں نزاور حسن و لطافت ہو - اس لئے کہ وہ اسی انداز سے بنائی گئی ہے .. یہی قدرتی اصول اور عادلانہ فیصلہ ہے' کیونکہ ایک طرف تو یہ قدرتی اصول ہے اور دوسری طرف یہی آزادی کا بنیادی قاعدہ ہے' کیونکہ اشیاء آزاد

پیدا ہوتی ہیں اور اس لئے کہ اصول آزادی کے خلاف جو بھی مداخلت
کی جائے گی وہ ظلم و جبر ہے۔ ان طبعی وظائف کی پابندی نہ کرنا اور
ان حدود کی فراموشی کرنا خود زندگی کے اقدار کو نظرانداز کرنے اور
انہیں بگاڑنے کے مترادف ہے' قدرت نے خود کو زندگی کے آغاز
سے انتہا تک اٹل اور حتمی ہونے سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسی
طرح بنایا ہے' ایک زندہ ھستی جب وہ زندگی لیکر وجود میں آتی ہے تو
اس کی ایک ھستی ہوتی ہے اور اس کے بارے میں حتمی فیصلہ ہے کہ
وہ اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک کہ اسے موت نہیں آجاتی.
چنانچہ آغاز سے انجام تک باقی رہنا قدرتی اور پیدائشی قانون ہے اس
میں نہ کسی کی مرضی کا دخل ہے نہ جبر کا' بلکہ یہ ایک قدرتی امر ہے۔
یہی قدرتی آزادی ہے. اس لئے حیوانات نباتات اور انسانوں میں نرو
مادہ کے لئے ابتدا سے آخر تک زندگی کا وجود ناگزیر ہے' اور صرف
وجود ہی نہیں بلکہ اپنے قدرتی فرائض کو انجام دینا بھی ضروری ہے۔
جس کے لئے وہ دونوں پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ
پوری قابلیت وصلاحیت سے انجام پائیں' اور اگر وہ پوری طرح
انجام نہ دیئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض حالات کے نتیجہ

میں زندگی کی رفتار میں خلا واقع ہوا ہے 'اور آج کل تقریباً دنیا میں ہر
جگہ جتنے معاشرے زندگی گزار رہے ہیں ان میں مرد و زن کے فرائض
منصبی خلط ملط ہونے کی وجہ سے ایسی ہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے '
یعنی عورت کو مرد بنانے کی کوششوں کے نتیجہ میں ' حالانکہ پیدائش اور
اس کی غرض و غایت سے ہم آہنگ ہونے کے لئے ان دونوں پر لازم
ہے کہ وہ اپنے ذمہ سپرد گئے ہوئے کاموں کو نہایت عمدگی سے انجام
دیں 'اس کے برعکس کوئی عمل رجعت فطری کے مترادف ہو گا۔ یہ
رجحان فطرت کے مخالف ہے اور آزادی کے قانون کو توڑنے والا ہے
' زندگی سے متصادم اور بقاء سے متضاد۔ ضروری ہے کہ ان دونوں میں
سے ہر ایک اپنے فرائض منصبی کو بجا لائے جس کے لئے وہ پیدا ہوا
ہے اور اس سے دست بردار نہ ہو کیونکہ ان سے یا ان میں سے کسی
کار منصبی سے دست بردار ہونا اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ حالات
جابرانہ اور تشدد آمیز ہوں۔۔ یعنی ناہموار حالت میں۔۔ تو جو عورت
صحتمندانہ وجوہ کی بنا پر حمل یا شادی یا آرائش و نگار و سنگھار و نزاکت
سے باز رہے تو وہ زندگی میں اپنے قدرتی وظیفہ کی انجام دہی سے اسی
تشدد انگیز حالت کی وجہ سے کنارہ کشی کرتی ہے۔۔ اور جو عورت حمل

اور شادی یا امومت۔۔ وغیرہ سے کام کی وجہ سے کنارہ کش ہوتی ہے وہ بھی اپنے قدرتی وظیفہ سے جابرانہ حالت کی وجہ سے دست بردار ہوتی ہے۔ اور جو عورت حمل یا شادی یا امومت۔۔ وغیرہ سے کسی مادی سبب کے بغیر دست بردار ہوتی ہے تو وہ اپنی پیدائشی فطرت سے، اخلاقی اصولوں سے، انحراف کے باعث جابرانہ حالت کے زیر اثر اپنے قدرتی وظیفہ کی انجام دہی سے دست بردار ہوتی ہے۔ الغرض کسی مادہ یا نر کا زندگی میں اپنے قدرتی وظیفہ کی انجام دہی کو چھوڑ دینا اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ وہ ایسے حالات میں ہو جو غیر قدرتی، آزادی سے متصادم، بقاء کے لئے خطرناک ہوں، بنا بریں ایک عالمگیر انقلاب کی ضرورت ناگزیر ہے جو ان تمام مادی حالات کو نیست و نابود کر دے جو عورت کو زندگی میں اپنے فطری وظیفہ کی انجام دہی سے روکتے ہیں اور جو اسے مرد کے فرائض انجام دینے پر اس لئے مجبور کرتے ہیں کہ وہ حقوق میں اس کے برابر ہو جائے۔ یہ انقلاب بالآخر آکر رہے گا بالخصوص صنعتی معاشروں میں سعی بقاء کی جبلت کے باعث، خواہ اس انقلاب بپا کرنے کے لئے سبز کتاب کی قسم کا کوئی محرک ہو یا نہ ہو۔

اس وقت تمام معاشرے عورت کو ایک سامان تجارت سمجھ رہے ہیں۔۔ مشرق اسے قابل خرید و فروخت سودے کے اعتبار سے دیکھ رہا ہے' اور مغرب نے اس کی نسوانیت سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

عورت کو مرد کے کام کے لئے نکالنا اس کی نسوانیت کے خلاف ظالمانہ کاروائی ہے جو (نسوانیت) اسے زندگی کے لئے ضروری قدرتی مقصد کے تحت عطا ہوئی ہے۔۔ اس لئے کہ مردانہ کام عورت کے ان حسین مظاہر اور رنگ روپ کو مٹا دیتا ہے جنہیں فطرت ظاہر کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ اس مخصوص وظیفہ فطرت کو ادا کرے جو مرد کے وظیفہ فطرت سے جداگانہ ہو۔۔ یہ بالکل پھولوں کی طرح ہیں جو اس لئے بنائے گئے ہیں تخم تولید (زیرہ) جذب کریں۔۔ اور بیج پیدا کریں۔۔ اگر ہم انہیں مٹا دیں تو نباتات میں زندگی کی افزائش ختم ہو جائے۔ اور جب بھی عورت مرد کا کام کرے گی تو ضروری ہے کہ وہ اپنے ذمہ سونپے ہوئے فریضہ اور اپنے حسن و جمال کو چھوڑ کر مرد بن جائے گی' عورت کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ اس پر مرد بن جائے اور اپنی نسوانیت سے دست بردار ہو جانے کے لئے

کوئی جبر نہ کیا جائے۔

مرد اور عورت کے درمیان قدرتی طور پر جسمانی ساخت کا اختلاف یہ بتاتا ہے کہ مادہ سے نر کے مختلف اعضاء کا عمل بھی اسی طرح مختلف ہے۔ اور مرد و زن کے مختلف اعضاء کے مختلف کاموں کے نتیجہ میں قدرتی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔۔ جو طبیعت مزاج نفس و اعصاب اور جسمانی شکل کے اختلاف تک پہنچتا ہے۔۔

عورت محبت کا پیکر ہے۔۔ عورت حسین ہے۔۔ عورت جلد رونے لگتی ہے۔۔ عورت ڈرتی ہے۔۔ اور بالعموم قدرتی ساخت کے نتیجہ میں عورت نرم و نازک ہوتی ہے اور مرد سخت و درشت ہوتا ہے۔

مرد و عورت کے درمیان ان فطری اختلافات کو نظرانداز کرنا اور ان دونوں کے سپرد کئے گئے فرائض کو خلط ملط کرنا قطعاً غیر مہذب رجحان ہے۔۔ جو قوانین فطرت سے متصادم ہیں۔۔ اور انسانی زندگی کے لئے تباہ کن ہے، اور انسان کی اجتماعی زندگی کی بدبختی کا حقیقی سبب ہے

اس دور کے صنعتی معاشرے جنھوں نے عورت کی نسوانیت اور زندگی میں عورت کی حسن کارانہ خدمت امومت اور سکون و

اطمینان کا   کام چھین کر اسے مرد کی طرح جسمانی کام کے لئے تیار کیا ہے وہ غیر مہذب معاشرہ ہے۔۔ وہ مادی معاشرے ہیں۔۔ اور تہذیب یافتہ نہیں ہیں۔۔ ان کی تقلید کرنا حماقت اور تہذیب و انسانیت کے لئے خطرہ ہے۔

الغرض مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عورت کام کرے یا نہ کرے' یہ تو ایک مہمل مادی سوال ہے۔ جہاں تک کام کا تعلق ہے معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کام کی طاقت رکھنے والے اور کام چاہنے والے جملہ افراد کے لئے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت کام فراہم کرے۔ لیکن ہر شخص اپنے دائرہ کار میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام کرے۔۔ اور جبر وتشدد کے تحت کوئی غیر مناسب کام نہ کرے۔

=====☆☆☆=====

اقلیتیں

اقلیت کیا ہے ؟.. اس کے کیا حقوق اور کیا فرائض ہیں اور مسئلہ اقلیت کو تیسرے عالمی نظریہ کی روشنی میں دیگر مسائل کے ساتھ کیونکر حل کیا جاسکتا ہے؟

دنیا میں اقلیت کی صرف دو ہی قسمیں ہیں' تیسری نہیں.. ایک اقلیت تو وہ جو اپنی قوم کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اس کا اجتماعی دائرہ ہی اس کی قوم ہے.. اور دوسری اقلیت وہ ہے جس کی کوئی قوم نہیں ہوتی' وہ خود ہی اجتماعی دائرہ ہوتی ہے۔ موخرالزکر کا شمار ایسے گروہوں میں کیا جاسکتا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ایک مشترک احساس تعلق اور مشترک مقدر کے بل بوتے پر قوم کا روپ دھار لیتی ہے۔

جیساکہ واضح ہے اس اقلیت کے اپنے اجتماعی حقوق ہوتے ہیں' اور کسی اکثریتی فریق کی طرف سے ان کے خلاف تجاوز سراسر ظلم ہے۔ سماجی خصوصیت ان کی ذات کا حصہ ہوتی ہے جسے نہ تو الگ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی خود کسی کو دیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کے سیاسی اور

اقتصادی مسائل صرف اس عوامی معاشرہ میں حل ہو سکتے ہیں جہاں اقتدار، دولت اور مسلح قوت عوام کے ہاتھ میں ہو۔ اقلیت کو اس حیثیت سے دیکھنا کہ وہ سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے اقلیت ہے، ظلم واستبداد ہے۔
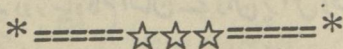
سیاہ فام نسل

کالے دنیا پر چھا جائیں گے

غلامی کے ادوار میں سے آخری دور گوروں کا کالوں کو غلام بنا لینا تھا' اور یہ دور سیاہ فام انسان کے ذہن پر اس وقت تک طاری رہے گا جب تک اسے یہ احساس نہ ہو جائے کہ اس نے اپنی آزادی واپس لے لی ہے۔

یہ المناک تاریخی سانحہ' اور اس کا دردناک احساس اور اپنی جنس کی ساکھ بحال کر کے اطمینان کا سانس لینے کے لئے دوڑ دھوپ وہ نفسیاتی محرک ہے جسے اپنا انتقام لے کر کالوں کی فتحمند ہونے کی تحریک میں نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس پر اجتماعی تاریخی گردشوں کے ناگزیر نتائج مستزاد ہیں .. جن میں زرد نسل کے ایشیا سے دوسرے براعظموں پر یلغار اور انہیں زیر نگیں کرنے کی کوشش شامل ہے .. پھر گوروں کا دورانیہ جب انہوں نے پوری دنیا پر اپنا سامراجی نظام قائم کر لیا۔ اور اب کالوں کی باری ہے کہ وہ بھی غلبہ حاصل کریں۔ اس وقت کالوں کی سماجی حالت انتہائی پسماندہ ہے۔ تاہم ان کی یہ پسماندگی ان

کی افزائش نسل میں مدد گار بن رہی ہے۔ اس لئے کہ ان کا پست
معیار زندگی انہیں ضبط تولید کے طور طریقوں سے بچائے ہوئے ہے
کیونکہ وہ ان سے آگاہ ہی نہیں اسی طرح ان کی پسماندہ اجتماعی رسوم و
روایات اور شادی کے لئے کسی حد کا مقرر نہ ہونا ان کی بکثرت
افزائش نسل کا سبب ہو رہا ہے سفید فام اور دوسرے لوگ کالوں کے
برعکس ضبط تولید اور شادی پر حد بندی نیز مسلسل محنت اور کام میں
مصروف رہنے کی وجہ سے تعداد میں کم ہوتے جا رہے ہیں جبکہ کالے
گرم آب و ہوا کی بدولت سستی و کاہلی کا شکار ہیں اور صرف بچے پیدا
کرنے کا کام کرتے ہیں۔

=====☆☆☆=====

تعلیم

علم یا تعلیم صرف مرتب نصاب تعلیم اور مختلف ابواب میں منقسم مضامین کا نام ہی نہیں جو زبردستی جوانوں کو مقررہ گھنٹوں میں حرف بحرف کرسیوں پر بیٹھا کر مطلوبہ کتابوں کے ذریعہ زبردستی پڑھائے جاتے ہیں. اس قسم کی تعلیم جو آج دنیا کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی ہے یہ آزادی سلب کرنے کے طریقوں میں سے ایک ہے۔ جسے اپنے نوجوانوں پر لاگو کرنے پر تمام ممالک فخر کرتے ہیں آزادی کو کچلنے کا ایک طریقہ ہے.. یہ انسان کی خداداد صلاحیتوں کو بالجبر برباد کرنا ہے.. اور انسان کی مرضی اور اختیار کی جبری رہنمائی کرنا ہے.. یہ استبدادی عمل ہے جو آزادی کا دشمن ہے اس لئے کہ یہ انسان کو آزادانہ اپنی مرضی سے کام کرنے، تخلیقی اپج اور ذہانت سے کام لینے میں مانع ہے.. انسان کو کسی معین نصاب کے پڑھنے پر مجبور کرنا آمریت ہے.. لوگوں کو پڑھانے کے لئے مقررہ مضامین ان پر مسلط کر دینا ایک امرانہ عمل ہے.

جبری تعلیم.. اور منظم نصابی تعلیم دینا در اصل عوام کو جبراً

جاہل بنانا ہے۔۔ تمام وہ ممالک جو سرکاری نصاب ہائے تعلیم کے ذریعہ تعلیم کی راہیں محدود کرتے ہیں۔۔ اور اس پر لوگوں کو مجبور کرتے ہیں اور جو مضامین و علوم سیکھانا ہیں انہیں سرکاری طور پر مقرر و محدود کرتے ہیں وہ ممالک اپنے شہریوں پر جبرو ظلم کرتے ہیں۔ دنیا میں مروجہ تمام طریقہ ہائے تعلیم کو منسوخ کرنے کے لئے ایک عالمی ثقافتی انقلاب کی ضرورت ہے جو ذہن انسانی کو' متعصبانہ نصاب ہائے تعلیم اور اس کی فکر کو خاص سانچے میں ڈھالنے کی جبری کوششوں سے نجات دلائے۔

بادی النظر میں شاید اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ درسگاہوں کے دروازوں پر تالے لگا دیئے جائیں اور لوگ تعلیم حاصل کرنا بند کر دیں۔ اس کے برعکس مطلب یہ ہے کہ معاشرہ ہر قسم کے تعلیم کے وسائل با افراط مہیا کرے اور لوگوں کو ان کی مرضی اور پسند کے مطابق علم حاصل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے' اس طرز تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کے علوم سیکھنے کے لئے کافی تعداد میں تعلیم گاہیں موجود ہوں۔ ان کے کافی تعداد میں نہ ہونے کے معنی ہیں انسان کی آزادی میں رکاوٹ اور حد بندی' نیز اسے ان مقررہ علوم کے پڑھنے پر مجبور

کرنا جو عام طور پر پائے جاتے ہیں اور اس کے برعکس بعض علوم کی عدم موجودگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے قدرتی حق سے محروم ہیں۔

علم سے روکنے اور اس پر اجارہ داری کرنے والے معاشرے دراصل رجعت پسند' جہالت کے مبلغ اور آزادی کے دشمن ہیں' اسی طرح وہ معاشرے بھی جو دین کو اس کی اصلی شکل میں سیکھنے سے روکتے ہیں رجعت پسند جہالت کے داعی اور آزادی کے دشمن ہیں.. اور جو معاشرے دینی علوم کے اجارہ دار بنتے ہیں وہ بھی رجعت پسند جہالت پرست اور آزادی کے دشمن ہیں.. وہ معاشرے جو دوسروں کے دین اور ثقافت اور دوسروں کے کردار کو اپنے معاشرہ کے افراد کے سامنے علمی اعتبار سے بگاڑ کر پیش کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح متعصب رجعت پسند اور آزادی کے دشمن ہیں. وہ معاشرے جو مادی علوم کو ممنوع قرار دیتے ہیں وہ بھی رجعت پسند جہالت پرست اور آزادی کے دشمن ہیں. اور جو معاشرے مادی علوم کے اجارہ دار بن جاتے ہیں وہ بھی رجعت پسند جہالت کے داعی اور ازادی کے دشمن ہیں. علم ہر انسان کا قدرتی حق ہے اور کسی بھی جواز کا سہارا لے کر اس سے محروم کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے ماسوائے اس

کے کہ کوئی انسان خود ایسے کام کا ارتکاب کرے جو اسے اس حق سے محروم کردے۔

جب ہر چیز کو اس کی حقیقت اور اصلی صورت میں پیش کیا جائے گا۔۔ اور جب ہر انسان کو علم حاصل کرنے کے لئے اس کے مناسب حال وافر وسائل مہیا کر دیئے جائیں گے۔۔ تو جہالت کا خاتمہ ہو جائے گا
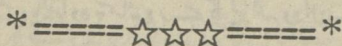
نغمہ و فن

انسان ابھی تک پسماندہ ہے کیونکہ وہ اپنا ماضی الضمیر ایک مشترکہ زبان میں ادا کرنے سے قاصر ہے اور جب تک وہ رنج و خوشی' خیر و شر' حسن و قبح' آرام و تکلیف.. فناء و بقاء' محبت و نفرت.. رنگوں اور احساسات و جذبات نیز ذوق و کیفیات مزاج کے مشترکہ اظہار کی ناممکن منزل نہیں پالیتا وہ پسماندہ رہے گا کیونکہ وہ ان کے اظہار کے لئے اپنی اپنی زبان استعمال کرنے پر مجبور رہے۔ اس کا طرز عمل بھی اس ردعمل پر سے تشکیل پاتا رہے جو بولنے والے کی زبان اس میں پیدا کرتی ہے۔

ایک زبان کا سیکھ لینا خواہ وہ کوئی سی بھی ہو موجودہ زمانہ میں کوئی حل نہیں ہے.. یہ مسئلہ کسی حل کے بغیر اس وقت تک یقیناً باقی رہے گا جب تک کہ چند صدیوں اور نسلوں کے بعد وحدت زبان کا عمل جاری نہ ہو اور اس کے نتیجے میں ایک عالمی زبان کا استعمال وجود میں آجائے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مرور زمانہ سے وراثتی عنصر فتح ہو جائے اس لئے کہ نئی نسلوں کے شعور و احساس اور ذوق و متزاج

کی تشکیل ان کے آباو اجداد سے ہوتی ہے۔ اگر ان کے آباؤ اجداد مختلف زبانوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور یہ صرف ایک زبان میں اظہار کرتے ہیں۔ تو ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی زبان بولنے کی وجہ سے ایک ہی طرز احساس کے بھی حامل ہوں. وحدت ذوق اسی وقت ممکن ہے جب نئی زبان ان باہمد گر میراث پانے والی نسلوں کو ان کا ذوق و احساس بھی منتقل کردے.

اگر ایک جماعت سوگ کی حالت میں سفید لباس پہنتی ہے اور دوسری جماعت سیاہ لباس پہنتی ہے تو ان میں سے ہر جماعت کے احساسات و جذبات ان دونوں رنگوں سے وابستگی کے مطابق ہوں گے .. یعنی ایک سیاہ سے نفرت کرے گی اور دوسری اسے پسند کرے گی اور دوسری اس کے برعکس. اس احساس کا جسم کے خلیوں اور ہر ہر ذرہ اور اس کی حرکت پر مادی اثر ہوتا ہے اور اس طرح یہ اثر پزیری ورثہ میں منتقل ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں وارث بھی میراث میں یہ احساس پانے کی وجہ سے خود بخود اس رنگ سے نفرت کرنے لگتا ہے جس سے اس کا مورث نفرت کرتا ہے' یہی حالت اقوام کی ہے جو صرف اپنے فنون و میراث کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہیں.. اور وراثتی

عنصر کی وجہ سے دوسروں کے فنون سے ہم آہنگ نہیں ہوتیں، خواہ بحالت موجودہ وراثتی طور پر وہ مختلف اقوام ایک ہی زبان بولتی ہوں.

بلکہ یہ اختلاف ایک ہی قوم کے مختلف گروہوں میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے خواہ چھوٹے پیانہ پر ہی کیوں نہ ہو.

کسی ایک زبان کو سیکھ لینا کوئی بات نہیں ہے.. اور دوسروں کی زبان سیکھ کر ان کے فنون کو سمجھ لینا بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے.. لیکن اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ دوسروں کی زبان کے ساتھ حقیقی وجدانی مطابقت پیدا کی جائے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ وارثت کا اثر متعلقہ انسان کے جسم سے زائل نہ ہو جائے.

حقیقت یہ ہے کہ انسانیت ابھی تک اس لئے پسماندہ ہے کہ ہر انسان دوسرے سے ایک مشترکہ موروثی زبان -- نہ کہ سیکھائی پڑھائی ہوئی زبان -- میں بات نہیں کر سکتا۔ اور بایں حمہ اس منزل تک انسانیت کا پہنچنا وقت کا ایک اہم مسئلہ ہے اور اس وقت کا انتظار ہے جب تہذیب پلٹ کر اولین دور میں داخل ہو۔ جب گروہ انسانی کا طریقہ اظہار ایک ہی تھا۔

جسمانی ورزش شہ سواری
تماشا اور نمائشیں

جسمانی ورزش یا تو نجی طور پر انفرادی ہوتی ہے' نماز کی طرح' جسے انسان بذات خود تنہائی میں حتیٰ کہ بند کمرہ کے اندر انجام دیتا ہے' یا اجتماعی طور پر' اور نماز کی طرح عبادت گاہوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ پہلی قسم کی ریاضت کا تعلق فرد سے ہے۔ دوسری قسم کا تعلق پوری قوم سے ہے' اسے پوری قوم انجام دیتی ہے اور کسی کو اپنا جانشین بنا کر اسے انجام دینے کے لئے نہیں چھوڑتی۔ جس طرح عوام کا عبادت گاہوں میں جا کر کسی فرد یا جماعت کو نماز پڑھتے دیکھنا اور خود نماز نہ پڑھنا ناشائستہ حرکت ہے اس طرح یہ بھی نامعقول حرکت ہے کہ عوام کھیل کے میدانوں اور تفریح گاہوں میں داخل ہو کر ایک یا دو کھلاڑیوں کا تماشا دیکھیں اور خود ورزش نہ کریں۔

کھیل یا ورزش نماز کی طرح اور کھانا کھانے اور گرمی یا ٹھنڈ حاصل کرنے کی طرح ہے' یہ حماقت ہے کہ عوام ہوٹل میں جا کر کسی ایک شخص یا ایک جماعت کو کھانا کھاتے دیکھ کر تفریح کریں۔ یا لوگ

اپنی نمائندگی کرنے کے لئے ایک شخص یا ایک جماعت کو اپنے جسموں
کے لئے حرارت حاصل کرنے یا ٹھنڈ سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے
چھوڑ دیں ۔ یہ معقول بات نہیں کہ معاشرہ عوام کو چھوڑ کر کسی فرد یا
جماعت کو کھیل یا ورزش پر اجارہ داری قائم کرنے کی اجازت دے
اور اس اجارہ داری کی قیمت عوام کو ادا کرنی پڑے۔ اسی طرح عوام کو
جمہوری طور پر کسی پارٹی، طبقے، قبیلے، گروہ یا پارلیمنٹ کو اجازت نہیں
دینا چاہئے کہ وہ ان کی قسمت کا فیصلہ کرے یا ان کی ضروریات کا یقین
کرے۔

نجی کھیل کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو نجی طور پر اسے
کھیلتے ہیں یا اس پر خرچ کر رہے ہیں۔ قومی کھیل قومی ضرورت ہے
اس لئے اس میں ان کی نیابت نہیں ہونی چاہئے۔ جسمانی طور پر کسی
فرد کی یہ صلاحیت نہیں کہ وہ کھیل سے ہونے والے جسمانی اور
اخلاقی فوائد کو دوسرے کو منتقل کر سکے۔ جمہوری طور پر بھی کسی فرد یا
ٹیم کو حق نہیں کہ وہ کھیل، دولت، اقتدار یا مسلح طاقت پر اجارہ قائم
کرے۔ اس وقت دنیا میں کھیلوں کے کلب ہی روایتی کھیلوں کی
بنیادی تنظیم کا ذریعہ ہیں۔ ہر ملک میں کھیلوں کے لئے مخصوص کئے

جانے والے اخراجات اور دوسری سہولتوں پر انہیں اداروں کا قبضہ ہے ۔۔۔ یہ ادارے بھی اسی طرح اجارہ داری قائم کرنے کا وسیلہ ہیں جس طرح آمریت سیاسی اقتدار کی اجارہ دار ہے مالیاتی ادارے اقتصادی اجارہ دار اور روایتی فوجی ادارے اسلحے کے اجارہ دار بن بیٹھے ہیں۔

عوامی دور جس طرح دولت ' اقتدار اور اسلحہ کے اجارہ داروں کو کچلے گا لامحالہ وہ کھیل کی اجارہ داری اور اس قسم کی دیگر اجتماعی سرگرمیوں پر اجارہ داری کرنے والے اداروں کو بھی ختم کردے گا۔ عوام جب کسی انتخابی امیدوار کو ووٹ دینے کے لئے قطار بناتے ہیں فیصلے میں ان کی نیابت کرنا ہوتی ہے تو وہ ایک محال مفروضہ کی بنیاد پر کہ وہ ان کی نیابت کرے گا اور ان کی قائم مقامی کرتے ہوئے ان کے عزت و وقار ' ان کے اقتدار اعلیٰ اور نظریے کی حفاظت کرے گا ' تاہم وہ عوام جن کی مرضی اور رضا کی دولت چھن چکی ہوتی ہے وہ کسی اور کی نمائندگی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جو کام کہ انہیں خود کرنا چاہئے۔

وہ ان عوام کی طرح ہیں جو اپنے آپ اور اپنے لئے ورزش کرنے سے عاجز ہیں کیونکہ وہ نہیں جانتے اور اجارہ دار وسائل و

ذرائع نے انہیں بے وقوف بنا رکھا ہے وہ عوام کو بہلانے اور انہیں بے وقوف بنانے کا کام کرتے ہیں۔ وہ خود کھیلنے کی بجائے تماشائی بنے رہیں جس طرح اقتدار عوامی ہونا چاہئے اسی طرح کھیل اور ورزش بھی عوامی ہونا چاہئیں بالکل اسی طرح جس طرح دولت اور مسلح طاقت عوام کے ہاتھوں میں ہونا چاہئیں۔

قومی کھیل تمام عوام کے لئے ہے صحت و تفریح کے فوائد پر ہر قوم کا حق ہے' یہ حماقت ہے کہ انہیں مخصوص افراد یا جماعتوں کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ ان کے اجارہ دار بن جائیں اور صحت و روحانیت سے متعلق ان کے فوائد تنہا حاصل کریں جبکہ عوام ان کے لئے ہر قسم کی سہولتیں اور ممکنہ وسائل فراہم کرتے اور عوامی کھیلوں اور ورزشوں کے جاری رہنے کے مصارف اور تقاضے پورے کرتے ہیں۔ وہ ہزاروں اشخاص جو اسٹیڈیم کی سیڑھیوں پر بیٹھے تماشا کرتے اور تالیاں بجاتے اور ہنستے ہیں وہ ہزاروں بے وقوف ہیں جو خود تو کھیل اور ورزش کے قابل نہ رہے اور سٹیڈیم اور تفریح گاہ کی بنچوں پر صف باندھے گمنامی میں ان سورماؤں کے لئے تالیاں بجا رہے ہیں جنہوں نے ان سے پہل کا حق چھین کر میدان پر تسلط اور کھیل پر قبضہ

کرلیا ہے اور تمام وسائل اور سہولتیں اپنے تصرف میں کرلی ہیں جو عوام نے اپنے مفاد کے لئے فراہم کئے تھے۔ یہ کھیل کے میدانوں کی سیڑھیاں دراصل عوام اور کھیل کے میدانوں یا تفریح گاہوں کے درمیان رکاوٹ ہیں تاکہ عوام کی کھیل کے میدانوں تک رسائی نہ ہو سکے 'اور اس دن جب عوام یلغار کرتے ہوئے کھیل کے میدانوں کے وسط میں کھیلیں گے اور انہیں شعور ہو جائے گا کہ کھیل اب عوامی سرگرمی ہے جسے تماشے کے طور پر دیکھنے کے بجائے اس میں شریک ہو کر کھیلنا چاہئے 'تب وہ میدان خالی اور بے کار ہو جائیں گے 'ممکن ہے کہ اس کے برعکس معقول بات یہ ہو کہ اپاہج اور گمنام اقلیت ہی تماشا بین ہو۔

کھیل کے میدانوں کی سیڑھیاں اس وقت نہیں رہیں گی جب ان پر بیٹھنے والے موجود نہیں ہونگے کمزور اور عاجز لوگ جو زندگی میں سورمائی کے کام نہ کرسکے اور جو تاریخی واقعات سے بے بہرہ ہیں ' مستقبل کا تصور کرنے میں کوتاہ ہیں اور اپنی زندگی میں محنت سے گریز کرنے والے ہیں۔ وہی حاشیہ نشیں ہیں جو سینما ' تھیٹر اور نمائش کھیلوں کے موقع پر تماشائیوں کی کرسیوں کو بھرتے ہیں 'وہ زندگی میں

محض تماشا کرتے ہیں بالکل ان طلبہ کی طرح جو کلاس روم کے بنچوں
پر گم سم بیٹھے ہوتے ہیں کیونکہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔

جو لوگ اپنی زندگی آپ تعمیر کرتے ہیں انہیں ایکٹروں کی
وساطت سے اسٹیج پر یا تماشا گاہوں میں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی
کہ زندگی کس رفتار سے چلتی ہے اسی طرح وہ شہسوار جن میں سے ہر
ایک کے پاس گھوڑا ہو تو مقابلہ کی دوڑ کے لئے کوئی تماشائی اور تالیاں
بجانے والا نہ رہے گا۔ لہٰذا بیٹھنے والے تماشا بین صرف وہی ہوتے
ہیں جو اس سرگرمی میں حصہ لینے کی قابلیت نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ
گھڑسوار نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مہذب دیہاتی اقوام تھیٹر اور کھیلوں کی
نمائشوں کا اہتمام نہیں کرتیں کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں انتہائی سخت
کوشش اور محنتی ہوتی ہیں، وہ سنجیدگی سے تعمیر حیات میں لگی رہتی ہیں
لہٰذا وہ اداکاری کا مذاق اڑاتی ہیں اسی طرح دیہاتی لوگ بھی کھلاڑیوں
کے تماشے نہیں دیکھتے بلکہ اکٹھے ہو کر خوشی کی تقریبات اور کھیلوں
میں خود حصہ لیتے ہیں، کیونکہ وہ فطرتاً اس کی ضرورت محسوس کرتے
ہیں اور بغیر کسی شرح و تاویل کے اسے انجام دیتے ہیں۔

جہاں تک مکہ بازی کشتی اور اس قسم کے کھیلوں کا تعلق ہے تو یہ اس امر کا ثبوت ہیں کہ انسان ابھی تک پوری طرح وحشیانہ طرز عمل سے چھٹکارا نہیں پا سکا۔ تاہم یہ یقینی طور پر اس وقت ختم ہو جائیں گے جب انسان تہذیبی مدارج میں زیادہ ترقی کرے گا۔ پستولوں سے مقابلہ اور اس سے پہلے انسانوں کو قربان کرنے کی رسم انسانی ترقی کے کسی مرحلہ پر جاری تھی۔ لیکن صدیوں سے یہ وحشیانہ طریقے ختم ہو چکے ہیں اور اب انسان ایسے اقدامات پر بیک وقت ہنستا اور کف افسوس ملتا ہے اور یہی صورت بیسیوں یا سینکڑوں برس بعد مکہ بازی اور کشتی کی قسم کے کھیلوں کی ہو گی لیکن دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مہذب افراد ذہنی طور پر زیادہ بلند سطح کے لوگوں میں یہ استطاعت ہے کہ وہ ایسے وحشیانہ طرز عمل اور اس کی حوصلہ افزائی سے کنارہ کشی کر لیں۔

=====☆☆☆=====

گذارش
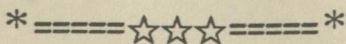
قارئین ۔ دنیائے اسلام کے انقلابی رہنما معمر قذافی کی کتاب الاخضر کا اردو ترجمہ (سبز کتاب) آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ سانجھ وچار نے کتاب ہذا کا ترجمہ اردو کرتے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور مترجمین کا بورڈ بٹھا کر ترجمے کے ہر پہلو پر غور وخوض کیا ہے مگر جیسا کہ انسانی کاوش میں غلطیوں کا احتمال ممکن ہے لہذا اگر اس کتاب کے سلسلے میں کتاب یا ترجمہ کی کوئی غلطی نظر آئے تو براہِ کرم ادارہ ہذا کو مطلع فرما کر مشکور فرما دیں۔ ادارہ اس تعاون کے لیے آپ کا شکر گذار ہو گا۔

مزید برآں اس کتاب کے تراجم پاکستان کی علاقائی زبانوں میں بھی بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔ آخر میں گذارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کتاب کو دوسرے دوستوں تک پہنچا کر مشکور فرمادیں۔ آپ کے اس عمل کو ادارہ آپ کی طرف سے اخلاقی مدد سمجھے گا۔

عالمی ادبی مجلس
سانجھ وچار لاہور